جلد نمبر ۱۱ - شمارہ نمبر 2
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
نومبر/دسمبر 1975
(زیر سرپرستی)
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک ضلع پشاور
مغربی پاکستان

اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم : ۴ قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر رہائش : ۲

جلد نمبر : ۱۱ ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

شمارہ نمبر : ۲ نومبر، دسمبر ۱۹۷۵ء

مدیر سمیع الحق
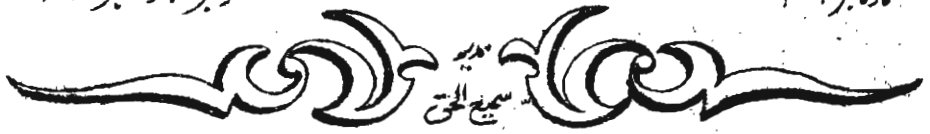
نقش آغاز (مٹی کی آگ — عالم اسلام کی تین تصویریں)	سمیع الحق	۲
تجدید عہد — نہ سوشلزم نہ جمہوریت صرف اسلام۔	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ	۵
شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال کا دستاویزی ریکارڈ	جناب مولانا محمد اسعد مدنی۔	۹
ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی کا خطبۂ استقبالیہ۔	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۵
مکتوبات رشد و ہدایت (غیر مطبوعہ)	الامام الراشد سید حسین احمد مدنیؒ	۳۷
حیات مسیح قرآن مجید کی روشنی میں (رد قادیانیت)	علامہ شمس الحق افغانی۔	۱۶
تہذیب و ثقافت کے نام پر مذاق	جناب غلام اکبر صاحب	۵۰
ذکری مذہب	جناب عبدالمجید صاحب	۵۴
مدارس عربیہ کا نصاب	مولانا غلام مصطفیٰ صاحب	۵۷
مشنری سرگرمیاں	قارئین	۵۹
احوال و کوائف دارالعلوم	دفتر اہتمام	۶۰
نتائج وفاق المدارس العربیہ	وفاق المدارس	۶۳
جدید زبانوں کے عربی ماخذ	مضطر عباسی	۴۱

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ بارہ روپے۔

بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ۔

فی پرچہ۔ ایک روپیہ ۲۵ پیسے۔

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں آتشزدگی کا افسوسناک حادثہ رونما ہوا، ابتدائی تفصیلات کے مطابق ۱۳۸ حجاج کرام جاں بحق اور سینکڑوں یا ہزاروں زخمی ہوئے۔ لاکھوں روپیہ کی املاک جل کر خاک ہو گئیں۔ کچھ پاکستانی حجاج کا سامان بھی نذر آتش ہو گیا، یہ واقعہ ہائلہ جتنا افسوسناک ہے، اس سے زیادہ عبرت اور نصیحت کی دعوت دیتا ہے۔ حجاج کرام بیشک اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے اور عین قربان گاہ ابراہیمی میں انہوں نے جان کا نذرانہ جاں آفرین کے سپرد کر دیا۔ مگر آئندہ کیلئے جہاں ظاہری اسباب میں مزید حفاظتی اقدامات اور تدابیر کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے سعودی عرب کی حکومت شب و روز کوشاں رہتی ہے وہاں یہ واقعہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو معنوی اور باطنی لحاظ سے بھی سبق دے رہا ہے۔ حج جیسی مقدس عبادت جو ہزاروں حکمتوں اور عظمتوں سے پر ہے۔ اس کی عظمت و حرمت کو قائم رکھنے کے لئے پورے عالم اسلام بالخصوص حجاج کرام کو ظاہری و معنوی آداب کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ ارض حرم اور حریم قدس کی عظمت و حرمت تمام مسلمانوں سے ان آداب اور احترامات کا تقاضا کرتی ہے۔ مگر دیکھا جائے تو بظاہر حجاج کی تعداد میں جتنا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اتنی ہی حج و زیارت کی حدود و آداب کی پاسداری سے بے اعتنائی ہو رہی ہے۔ نہ آداب کا اکثریت کو علم، نہ تقدس ملحوظ خاطر، نہ احکام سے آگاہی نہ منکرات سے گریز، پھر جہاں حدود و حرم کو عصر حاضر کی مغرب زدہ تہذیب و تمدن کی آلائشوں سے محفوظ نہیں رکھا جا رہا۔ وہاں حاجیوں کی تعلیم و تربیت کا بھی نظام نہیں۔ الا ماشاء اللہ حرمین الشریفین خانہ کعبہ اور مدینۃ الرسول علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور وقار کو تصاویر، کیمروں، فلموں اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ مجروح کیا جا رہا ہے۔ فحش سینما گاہوں میں اسکی نمائش ہوتی رہتی ہے اور جو عظمت و حرمت غیر مرئی صورت میں قائم رہ سکتی ہے، اسے بار بار فلم اور ٹی وی کے پردوں پر دیکھ دیکھ کر ایک مسلمان قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس جرم میں نہ صرف سعودی حکومت بلکہ پورا عالم اسلام شریک ہے۔ پورا عالم اسلام منکرات و فواحش اور تہذیب مغرب کی لپیٹ میں ہے۔ تو جہاں سارے عالم اسلام اور بسیط ارض کے مسلمان جمع تھے۔ وہاں ایک گونہ اس واقعہ ہائلہ کی شکل میں پورے عالم اسلام کو ایک تنبیہ کر دی گئی کہ خدا کی ذات مستغنی اور بے نیاز ہے۔ اسکی گرفت سے جہاں وہ چاہے اور جس وقت چاہے کوئی نہیں بچ سکتا۔ حق تعالیٰ اس واقعۂ ہائلہ سے ہم سب مسلمانوں کو سبق لینے کی توفیق دے۔

★

عالمِ اسلام کی دینی حالت کیا ہے؟ اس کا اندازہ دنیا بھر کے اکثر مسلمان حکمرانوں کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے۔ سربراہِ قوم کی مجموعی حالت کی تصویر ہوتا ہے۔ اس تصویر کے چوکھٹے میں دیکھئے تو کیسے کیسے داغ دھبے نمایاں نظر آئیں گے۔ میرے سامنے ۸ نومبر ۱۹۷۵ء کی جنگ اخبار ہے، ایک تصویر میں امریکی صدر کی رہائش گاہ وائٹ ہاؤس واشنگٹن میں آپ ایک مسلمان خاتون کو رقص کرتے دیکھیں گے۔ رقص کس کے ساتھ؟ کسی مسلمان کے ساتھ؟ نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے سب سے بڑے دشمن اور سامراجیت کے علمبردار ملک امریکہ کے سربراہ صدر فورڈ کے ساتھ۔ کوئی عام خاتون بھی نہیں، غیور و جسور عربوں کے اہم ترین ملک مصر کے صدر سادات کی بیوی جہان، مصر کی خاتونِ اوّل اور صدر فورڈ کی باہوں میں، منہ سے منہ ملائے ہوئے محو رقص ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، بے حمیتی اور بے غیرتی پر جتنا بھی سر پیٹ لیں تو کم ہے۔ مگر ٹھہرئیے دوسرے گوشہ پر بھی نظر ڈالئے، خود مصر کے صدر سادات صدر فورڈ کی بیوی کو بھی نہیں، بلکہ امریکہ کی ایک مغنیہ پرل بیلی سے ہم آغوش ہو کر ایک عرب خاتون اپنی بیوی کا بدلہ چکا رہے ہیں۔ یہ حالت عالمِ عرب کے سب سے فعال اور اہم ترین ملک مصر کی ہے، جس کے سینہ پر صدر فورڈ کی قوم نے اسرائیل کا خنجر بھونک دیا ہے۔ اور اب لبنان کی شکل میں دوسری ضرب کاری لگا رہا ہے۔

پھر یہ حالت صرف عربوں کی تو نہیں، پچھلے سال ہمارے ملک کے قائدِ عوام بھی تو امریکہ گئے تھے۔ اور یہاں کی خاتونِ اوّل بھی ساتھ تھیں، یہی کچھ انہیں بھی کرنا پڑا۔ برطانیہ کے ایک پاکستانی اخبار جنگ نے مسرفِ دوسی جلد ۲ شمارہ ۲۷۵ میں اس تقریب کے فوٹو شائع کئے گئے جس میں ضیافت کی تقریب میں صدر فورڈ کو بیگم نصرت بھٹو سے رقص کرتے دکھایا گیا۔ یہ تصویر ہمارے ملک میں بھی آئی مگر یہاں اسکی اشاعت روک دی گئی، بیرونِ ملک مسلمان پاکستانیوں کی نگاہیں یہ تصویر دیکھ کر شرم سے نیچی ہو گئیں۔ اس اخبار کے تراشے یہاں آئے گویا مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور تہذیب یورپ کے ہاتھوں پورا عالمِ اسلام، کیا عرب اور کیا عجم، ہنا جنازہ نکال چکا ہے۔ قوم کے اعمال کی تصویر عمال ہوتے ہیں۔ اور عمال کے طور طریقوں کو اپنانے والی پوری قوم ہوتی ہے۔ جب دین اور اخلاق کے ساتھ غیرت و حمیت شرافتِ حسب و نسب اور اقدارِ انسانیت کا بھی خاتمہ ہو جائے تو رونا پھر کس کس کی بات کا کیا جائے۔

★

ان تصاویر کے ساتھ ہی اب تصویر کا دوسرا رُخ دکھانے والی ایک تصویر بھی ملاحظہ کیجئے جو ۲۱ اکتوبر کے جنگ کراچی میں نمایاں طور پر شائع ہوئی ہے۔ سعودی عرب کے نائب وزیرِ اعظم شہزادہ فہد برطانیہ گئے تو گریٹ برٹن برطانیہ عظمیٰ کے وزیرِ اعظم ولسن تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر نہ صرف خود ان کے

استقبال کے لئے آئے بلکہ ان کے سامنے جھک جھک کر کورنش بجا لائے۔ یہ تعظیم فہد یا کسی مسلمان اور پھر کسی عرب کی نہیں تھی، بلکہ اس لئے کہ مادہ پرست برطانیہ اور خود غرض انگریز کو شاہ فہد سے تیل کی بھیک مانگنی تھی۔ اور سعودی عرب اس دولت سے، سونے سے اور زرمبادلہ سے مالامال تھا۔ پہلی تصویر یں مسلمانوں کی بے حمیتی اور ذلت کی منہ بولتی تصویریں ہیں تو یہ تصویر قدرت کیطرف سے مسلمانوں کو خاص طور پہ نوازنے کا شاہد عدل ہے۔ وہ ذلت ہے تو یہ عزت۔ وہ بے غیرتی ہے تو یہ وقار و عظمت مسلمانوں نے قدرت کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کی یا نہ کی، مگر استعمار و استبداد کے علمبردار اسلام دشمن یورپ کو جب پیغام حجازی کے سامنے جھکنا نصیب نہ ہو سکا۔ تو اسی خدائے حجاز و تہامہ نے ان صلیبیوں کو حجاز کی فانی دولت تیل اور سونے کے سامنے جھکا دیا کہ جھکنا تو حجاز کے سامنے ان کے مقدر میں تھا۔ مگر جو خود حجازی پیغام پہ جھک گئے وہ اوج ثریا پر پہنچا دئیے گئے اور جنہوں نے انکار کیا وہ حجازی مال و متاع اور مادی و فانی چیزوں کے سامنے کورنش بجا لا رہے ہیں۔ کہ مادہ پرستوں کا مبلغ علم اور معدہ پرستوں کا منتہائے پرواز یہی حقیر دنیا ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

الحق کا یہ شمارہ بھی حسب سابق نہایت تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ ہمیں اپنے قارئین کی بے چینی، تڑپ اور انتظار کا شدت سے احساس ہے۔ اور شاید ہماری مجبوریاں کتابت و طباعت وغیرہ کے عوارض ان کے علم میں نہیں۔ اس لئے بجا طور پہ ان کے کرم ناموں میں تلخی بھی آجاتی ہے۔ مگر یہ تلخی بھی ہماری ہمتوں کے لئے مہمیز کا کام دے جاتی ہے۔ کاش! ہم ان تمام مشکلات پہ قابو پا سکیں، اور وقت سے بھی پہلے باقاعدگی سے الحق اپنے محبوب قارئین تک پہنچا سکیں۔ اپنے پیارے قارئین سے بھی ہماری یہی التجا ہے کہ وہ مخلصانہ دعاؤں سے ہی ہماری مدد فرمائیں۔

"ادارہ"

دعوات عبدیت حق — افتتاحیات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : ادارۂ حق

نہ سوشلزم
نہ مغربیت
بلکہ صرف اسلام

یکم شوال ۱۳۹۵ھ عید الفطر کے موقع پر عیدگاہ اکوڑہ خٹک میں طویل علالت کے بعد پہلی تقریر۔ حاضرین کا مجمع دس ہزار کے لگ بھگ تھا۔ "ادارہ"

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھ ناچیز کو علالت کے بعد اپنے دربار میں حاضری کا موقعہ دیا۔

میرے محترم بزرگو! یہاں سے جب ہم جائیں تو کچھ لیکر جائیں تو بہتر ہوگا۔ ہم سب گنہگار ہیں اور ہمارے گناہ اگر گنے جائیں تو گنے نہ جاسکیں۔ خداوند کریم کی شانِ ربوبیت جسطرح دنیا کے ہر ذرہ میں نمایاں ہے، اس طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بھی ہر ہر ذرہ میں نمایاں ہے۔ وبالمومنین رؤف رحیم۔ تو خود خدا کی شانِ رحمت کتنی ہوگی؟ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رحمان ہے، رحیم ہے۔ آج یہاں موقع ہے کہ ہم سب اللہ کے سامنے گڑگڑائیں۔ اور اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں کہ یا اللہ ہم سب نادم اور شرمندہ ہیں کہ اتنے گناہوں کے ساتھ آپ کے سامنے کھڑے ہیں، جو کچھ بھی ہیں مگر رحمۃ للعالمین کی امت میں ہیں۔ اپنی رحمت کے طفیل ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ ہم سب کو یہاں سے پاکیزہ جذبات اور صاف ستھرا کرکے گھروں کو بھیجا۔ آمین۔

میرے محترم بزرگو! ہمیں شیطان ابلیس کے ساتھ علم پر دولت پر کسی چیز پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ حکومت پر غرور نہیں ہونا چاہیئے۔ دولت قارون کے پاس تھی۔ فخسفنا بہ وبدارہ الارض۔ دولت سمیت خدا نے اُسے زمین میں غرق کردیا۔ حکومت فرعون کو ملی تھی، نمرود کو ملی تھی، شداد کی تھی جس نے دنیا میں جنت بنا رکھی تھی لیکن اس کا انجام کیا ہوا ــ نہ حکومت کام آئے گی، نہ دولت، نہ علم اور عبادت، جس میں غرور اور عجب آجائے، جس عبادت میں تکبر آجائے۔ جس علم میں غرور ہو وہ بے کار ہو جاتا ہے۔ نہ دنیا

کا فائدہ نہ آخرت ۔ ارشاد ہے : تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً ۔ دنیا میں تو یہ ہے کہ جس کے پاس دولت ہو، قوت ہو، توپ و تفنگ ہو، طاقت ہو تو دنیا میں وہ اچھا ہے لیکن یاد رکھئے ۔ آخرت کا گھر جہاں ہم سب کو جانا ہے، وہ اللہ تعالیٰ ان کو دیتا ہے جو اونچائی کو غرور کو نہ چاہے ۔ جو شخص کہے کہ میں تو علم میں بڑا ہوں، بڑا بادشاہ ہوں میرے پاس طاقت ہے ۔ دولت ہے ، جو اس گھمنڈ میں آگیا ، تباہ ہوا ۔ آخرت کا گھر تو اس کو ملے گا جس نے اونچائی تو کیا بڑائی کا ارادہ بھی نہ کیا ہو، اللہ کی نگاہ میں یہ سامنے گدڑیوں میں بیٹھے ہوئے فقراء اور مفلوک الحال مسلمان اگر انجام ایمان سے ہو ۔ بادشاہوں سے نوابوں سے جرنلوں سے معزز و برتر ہوں گے ۔ اگر خدانخواستہ خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو یہ سب شان و شوکت ہیچ ہے ۔ اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتے ۔ فرماتے ہیں ، الکبریاء ردائی ۔ بزرگی اور تکبر میری چادر ہے ، جو اسے مجھ سے چھیننا چاہے میں اوندھے منہ اسے جہنم میں پھینک دوں گا ۔ تو اللہ تعالیٰ ہمیں غرور اور تکبر سے محفوظ رکھے کبھی تکبر نہیں کرنا چاہئے ۔ شیطان نے غرور میں آکر کہا کہ یا اللہ مجھے قیامت تک زندہ رکھو خدا کی ذات غنی ہے وہ دشمن کی بھی دعا قبول کرتا ہے ، کافر کی بھی ، فاسق کی بھی قبول کرتا ہے ۔ شیطان نے مہلت مانگی ۔ الی یوم یبعثون بعثت کے دن تک تو خدا نے کہا کہ اس وقت تک مہلت تو نہیں البتہ قیامت سے پہلے تک تجھے زندہ رکھوں گا ۔ تو اب خدا کے سامنے اکڑ کر کہنے لگا کہ یا اللہ یہ بنی آدم جو بھی ہیں ان میں سے کوئی بھی مجھ سے جنت نہ جانے پائے گا ۔ میں ان کو ہر طرف سے گمراہ کروں گا ۔ فرمایا میری اپنی شانِ رحیمانہ کی قسم کہ میرے یہ بندے جتنا بھی گناہ کیوں نہ کرلیں ۔ مگر جب صدق دل سے استغفار کرلیں گے میں انہیں جنت میں داخل کردوں گا ۔ اور بخشش دوں گا —— تو آج یہاں روئیں کہ یارب ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہیں تو سر سے پاؤں تک گناہوں سے آلودہ ہیں ۔ مگر اے رب رحیم شیطان کی کافروں کی دشمنوں کی ہنسی سے ہمیں بچا کر بخش دے ۔ ہم اس کھلے میدان میں آکر آپ کے سامنے توبہ استغفار کرتے ہیں ۔

میرے بھائیو ! میں تقریباً دو مہینے بیمار رہا اور ہسپتال میں رہا یہ میرے سب بھائی تمام مسلمانان اکوڑہ خٹک وگرد و نواح تحصیل نوشہرہ اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو اللہ دارین کی عزت دے ۔ جو پروانوں کی طرح ہسپتال پہنچ جاتے ، جانی و مالی مدد کرتے رہے ۔ اوقات کو خرچ کیا بدنی تکالیف اٹھائیں ۔ علم نوازی اس علاقہ اور اس تحصیل کی خصوصیت رہے ۔ علم کی قدر کرتے ہیں ۔ حدیث میں آتا ہے ۔ کہ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو وہ اس حالت میں ہوتا ہے کہ گویا جنت کی ہواؤں سے لدے پھندے درخت اس کے منہ تک آتے ہیں ۔ بہرحال اس علاقہ کے

تعصبات اور شہروں میں اور مبالغہ نہ ہوگا کہ سارے ملک میں لوگوں نے ناچیز کے لئے اجتماعی و انفرادی دعائیں مانگیں، ختم قرآن کئے، نوافل ادا کئے اور مجھ ناچیز گنہگار کی صحت کے لئے دعائیں مانگیں۔ تو یہ میرے اوپر ان سب کا بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کے درجوں کو بلند فرمادے میں سب کے لئے ہر نماز کے بعد خصوصیت سے دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ ان سب کے ساتھ بھلائی فرما جو دارالعلوم اور ناچیز کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ جو خدا کے دین کے علم کی قدر کر رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب تم دین کی قدر کروگے تو خدا تمہاری قدر کرے گا۔ اللہ بڑا غیور ہے۔ ہم اس کے مکان اس کے گھر اس کی مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں ہوں تو وہ ہمارے گھروں کو بھی دنیا و آخرت کو بھی آباد کر دے گا۔

میرے بزرگو! سینہ کی کمزوری کی وجہ سے زیادہ کہنے کی ہمت نہیں، دو چار باتیں ضروری عرض کرتا ہوں:-

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں مسلمان کی صفت بیان کی ہے کہ مسلمان وہ ہے، جو امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ جو وعدے کو نبھائے، جو وعدے کا پکا ہو، جو امانت میں خیانت نہ کرے۔ آپ کو معلوم ہے، اور تفصیل کا وقت نہیں۔ مگر جب ہم سب کی ارواح اللہ نے پیدا فرمائیں تو اللہ نے پوچھا تم کس کی عبادت کروگے۔؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔؟ تمہارا رب کون ہے۔؟ حضرت آدم کی پشت سے اولاد آدم کی ارواح کو نکال کر ان سے دریافت کیا: الست بربکم۔ تمہارا پالنے والا تمہارا خالق، تمہارا رازق ہوں کہ نہیں۔؟ سب نے اقرار و اعتراف کیا بلیٰ انت ربنا۔ بیشک تو ہی ہمارا رب اور خالق و مالک ہے۔ اسے وعدہ میثاق کہتے ہیں —— پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے یعنی کھلانے پلانے سے بھی پہلے بچے کے کان میں اذان دی جاتی ہے۔ اس میں اس وعدہ کو یاد دلایا جاتا ہے۔ کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ ۔ یہ وعدہ بچے کو دنیا میں آتے ہی یاد دلایا جاتا ہے۔ کہ کہیں وہ بھول نہ جائے کہ اللہ جل مجدہٗ وحدہٗ لاشریک ہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر جب قبر میں میت کو رکھتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ ہم نے تجھے دولت کے سپرد کیا، سونے چاندی میں رکھ دیا۔ بنگلے اور باغ میں رکھ دیا۔ بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ: بسم اللہ وضعناک وعلیٰ ملۃ رسول اللہ سلمناک ۔ اللہ کے نام پر تجھے یہاں رکھ دیا۔ اور ملت رسول پر تجھے سپرد کر دیا۔ تجھے ملت نبی پر رکھتے ہیں نہ کہ باغ، دولت، صدارت اور وزارت کی حیثیت سے پھر جو زندگی بھر آپ ہر رات نماز میں وتر میں کہتے ہیں کہ: ونخلع ونترک من یفجرک۔ یا اللہ ہم نے بے دینی کا جوا اتار دیا۔ بے دینی کو ہم چھوڑتے ہیں۔ ایاک نعبد اور خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ کیا یہ سب وعدے

نہیں تو کیا ہے۔ اب اللہ نے فرمایا کہ مسلمان تو وہ ہے جو اپنے وعدوں کا پاس رکھے۔ اس لئے یہاں ایک بات عرض کرتا ہوں کہ شاید یہ نحیف آواز پہنچ جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم چاہتے تھے کہ انگریز اس ملک سے چلا جائے اور پاکستان میں اللہ کا دین نافذ ہو۔ قیام پاکستان کے وقت سب نے یہ عہد کیا اور اس حلقہ اور تحصیل نوشہرہ کو تو اللہ آباد رکھے جنہوں نے پچھلے انتخاب میں اس وعدے کا پاس بھی رکھا۔ کاش! اگر یہاں کی طرح اور علاقوں کے مسلمان بھی اسے ملحوظ رکھ کر فیصلہ کر لیتے تو آج ہمیں اتنا بُرا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ آپ نے مجھ جیسے کمزور اور ناتوان کو ووٹ دیکر اس وعدہ کی تجدید کی اور عمل کرکے دکھایا۔ اور الحمدللہ کہ ان بیسے مسلمانوں کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔ آئین بنتے وقت گو یہ باتیں حکومت چھاپتی نہیں، عوام کو بے خبر رکھا جاتا ہے۔ مگر وہ سب ترامیم اسمبلی کے ریکارڈ میں محفوظ ہوں گی۔ مگر علماء نے اسلام کے لئے ہر ہر دفعہ میں ترامیم پیش کیں۔ سب سے پہلے تو آئین کی بسم اللہ ہی سوشلزم پر رکھی گئی تھی۔ لڑتے جھگڑتے اسے ختم کرا دیا گیا۔ اب سارے آئین میں سوشلزم کا لفظ نہیں ملے گا۔ اس لفظ کو اڑا دیا گیا۔ تو عرض یہ ہے کہ ہم نے اللہ پاک سے وعدہ کیا کہ ہم صرف اسلام کو چاہتے ہیں۔ بس یہی وعدہ اور میثاق تھا۔ تو آج بھی ہم اس عید گاہ میں وعدہ کریں کہ ہمارا اعلان ہے، وعدہ ہے کہ ہم نہ سوشلزم چاہتے ہیں نہ سیکولرازم اور نہ دوسرے ناموں کو کسی چیز کو سوائے اسلام کے نہیں چاہتے۔ ٹھیک ہے نا۔

(آوازیں، بالکل ٹھیک ہے ہم وعدہ کرتے ہیں۔)

پاکستان بناتے وقت مسلمانوں نے یہی وعدہ کیا تھا۔ بڑے بڑے فرانٹ آئے۔ کوشش کی کہ اس ملک میں اسلام کا نام و نشان بھی نہ ہو۔ لیکن خداوند کریم نے ان لوگوں کو مٹا دیا وہ مٹ گئے۔ لیکن پھر بھی بعض اوقات اور پچھلے دنوں خاص طور سے حکومت کے قلعے میں محصور ہو کر پولیس اور فوج کے گھیرے میں بیٹھ کر حکومت کے کچھ کارندے[1] کہتے ہیں کہ ہم یہاں سوشلزم لائیں گے۔ اسلامی سوشلزم لائیں گے — لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم — سوشلزم اور اسلامی ایسا کیوں نہیں کہتے کہ ہم یہاں اسلامی شراب، اسلامی زنا اور اسلامی جوا لائیں گے۔ (نعوذ باللہ) اسلام اور زنا میں اگر مناسبت ہو سکتی ہے۔ نعوذ باللہ تو اسلامی سوشلزم کا یہ جوڑ بھی لگ سکتا ہے۔

میں یہاں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غریب مسلمان جو یہاں موجود ہیں انہیں غریب اور بے بس نہ سمجھیں

باقی صفحہ ۵۸ پر

---

[1] اُس وقت کے وزیر اعلیٰ جناب حنیف رامے اور وفاقی وزیر شیخ رشید وغیرہ کے ایسے بیانات آنے لگے تھے سرخ سویرے اور سرخ سوشلزم کی باتیں اسمبلیوں میں ہونے لگی تھیں اس کی طرف اس دوسری بات میں اشارہ ہے۔ (مرتب)

مولانا محمد اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلمائے ہند

تحریک ریشمی رومال اور اس میں کون کیا تھا؟

حضرت شیخ الہند کی عالمگیر تحریک آزادی کے بارہ میں انڈیا آفس لائبریری لندن میں محکمہ ہند اور سی آئی ڈی کی کارگذاریوں پر مشتمل محفوظ ریکارڈ کو پچھلے دنوں برصغیر کے مشہور مورخ مولانا سید محمد میاں دہلوی مرحوم کی تنقیح و ترتیب اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ "تحریک شیخ الہندؒ" میں کون کیا تھا۔؟ کے نام سے بھارت میں شائع کیا گیا، کتاب کی اہمیت کے پیش نظر انڈین صدر جناب فخر الدین علی احمد نے ایوان صدارت میں سینکڑوں منتخب مدعوین (جس میں وزیر اعظم اور دیگر عمائدین بھی شامل تھے۔) کے ساتھ اس عظیم الشان دستاویزی کتاب کا افتتاح کیا۔ اور ملک بھر کے ذرائع ابلاغ نے اس تقریب کے ضمن میں علمائے دیوبند کے جہاد آزادی کے اس سنہرے باب "ریشمی رومال" کی تشہیر کی اس کتاب کا پیش لفظ تحریک شیخ الہندؒ کے اولوالعزم مجاہد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے فرزند رشید مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلمائے ہند نے لکھا ہے۔ اور بڑی مسرت کی بات ہے کہ اب یہ پوری کتاب نہایت آب و تاب سے مکتبہ رشیدیہ لیمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور نے بھی شائع کر دی ہے۔ تعارف کتاب کیلئے مولانا محمد اسعد مدنی کا پیش لفظ ہدیۂ قارئین ہے۔

"ادارہ"

سیدنا و مولانا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز جن کی تحریک پیش نظر کتاب کا موضوع ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کے وہ تلمیذ رشید تھے جو صرف حلقۂ درس میں شریک نہیں رہے، بلکہ ایک فرزند رشید کیطرح عنفوان شباب ہی سے آپ کے جذبات و جبلات کی تربیت بھی حضرت حجۃ الاسلام کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ ابھی عمر عزیز کے

۱۰ یا ۱۱ برس کے ہوئے ہوں گے۔ ابھی حضرت نانوتویؒ نے دیوبند کو اپنا مستقر بھی نہیں بنایا تھا، آپ کا قیام میرٹھ یا دہلی ہی میں رہتا تھا کہ شیخ الہند خطاب پانے والا نونہال، حجۃ الاسلام کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ اس وابستگی نے گرویدگی کی صورت اختیار کرلی، یہی گرویدگی تھی کہ آپ نہ صرف حضر میں بلکہ سفر میں بھی حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ رہتے اور جانفشانہ خدمت سے جذبۂ راحت رسانی کے اضطراب کو تسکین بخشتے۔

یہ حجۃ الاسلام وہی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تھے جو چند سال پہلے ۱۸۵۷ء / ۱۲۷۳ھ میں یورپ کے سوداگر فروش دغابازوں سے نبرد آزما تھے جواب اپنے مکر و فریب اور عہد شکنیوں سے جابر حکمراں اور ستمگر فرمانروا بن گئے تھے۔ نبرد آزمائی کا نتیجہ شکست ہوا۔ مگر اس شکست نے صرف اسلحہ کو کند کر دیا تھا۔ جذبات کو افسردہ نہیں کرسکی تھی بلکہ زیرِ خاکستر چنگاریوں کی طرح ان کی تپش تیز ہوگئی تھی اور طوفانی انقلاب کے لیے ان کی حرارت اور بڑھ گئی تھی۔ تلمیذِ رشید و سعید مولانا محمود حسن کا سینہ حضرت استاد کے فیوض و افادات کا گنجینہ تھا۔ ان جذبات کا پرتو اس پر پڑا تو وہ آتشیں شیشہ بن گیا، جو ہر اس آبگینہ کو سوزش و تپش کا تحفہ دینے لگا جس میں عزتِ نفس، خودداری، خوداعتمادی اور استقلال و حریت کی جھلک ہوتی۔ غیرت ملی اور حمایت وطن کی حرارت اس کے خون میں وفادہ قومی کی طلب اس کے گوشۂ جگر میں ہوتی۔ گویا اسکی صدا یہ ہوگئی تھی۔ ؏

" من قاش فروش دل صد پارہ خویش ام "

یہ قاش فروشی کب شروع ہوئی اور اپنے نصب العین کی شمع سے دلوں کے چراغ والوں کو منور کرنے کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی۔ اس کا کوئی سنہ و سال بتانا مشکل ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ شیخ الہندؒ کے آتشیں شیشہ نے جب حجۃ الاسلام کے آفتاب سے شعاعیں لینی شروع کیں، تب ہی سے اُن کی کرنوں کی تقسیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ کرنیں کہاں کہاں پہنچیں اور کن کن حلقوں نے ان کرنوں کو سمیٹا اور کون کون سے حلقے ان کی تپش سے آتش دان بن گئے ان کی نشاندہی مشکل ہے۔ صرف ایک حلقہ نمایاں ہوا یہ یاغستان کا حلقہ تھا۔

یاغستان یعنی آزاد قبائل میں کام کب سے ہو رہا تھا، ہمارے پاس اس کا بھی صحیح جواب نہیں ہے البتہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ جب ۱۹۱۵ء میں وہاں پہنچے تو پچاس سالہ کوششوں کا منتشر ثمرہ اُن کے سامنے تھا جسکو منظم کرنے کے لئے مولانا سندھیؒ کو وہاں بھیجا گیا تھا۔
اگر ان کوششوں کی عمر پچاس سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کے آخری دور

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے عہد شباب سے وہاں کام ہو رہا تھا۔

اس علاقہ میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ کی تحریک کو جو حادثہ عظیم پیش آیا تھا، جس نے گویا تحریک کو بے جان کر دیا تھا۔ وہ یاغستان کے متعلق اچھی رائے قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مگر بقول حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ یہاں کے نوجوانوں میں فوجی صلاحیت تھی۔ جذبۂ جہاد بھی تھا۔ یہ مقابلہ و مقاتلہ کے عادی تھے۔ اور ان میں حب وطن خودداری اور خود اعتمادی کا وہ جوہر تھا جس نے ان کو ہمیشہ انگریز کے مقابلہ میں صف بستہ رکھا، یہی جذبہ تھا جس کی بنا پر یہ ہمیشہ انگریز کی غلامی کے لئے گردن جھکانے کی بجائے گردنیں کٹوانے کو پسند کرتے رہے۔

تحریک شیخ الہند رحمۃ اللہ کے سلسلہ میں ان کی یہ خوبیاں نمایاں ہوئیں۔ اگر انگریزی فوجیں ان کی حدود میں داخل ہو گئیں تو ان کا مقابلہ اس شدت و قوت سے کیا کہ ان کی پلٹنیں کی پلٹنیں صاف کر دیں اور یہاں تک پسپا کیا کہ ان کو اپنی چھاؤنیوں میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا پھر ایک دفعہ ہی یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ مسلسل یہ ہوتا رہا کہ مقابلہ کرتے اور جب رسد ختم ہو جاتی تو اپنے گاؤں میں جا کر رسد لاتے پھر جہاد کرتے۔ بے شک کامیابی میسر نہیں آئی مگر ان کی پہلو تہی یا بے وفائی کی بنا پر نہیں بلکہ بین الاقوامی حالات نے جس طرح جرمنی اور ترکوں کو لاچار کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کی سلطنتیں ختم ہو گئیں اور ان کے ممالک کے حصے بخرے ہو گئے۔ ان ہی حالات نے ان مجاہدوں کو بھی کامیابی سے محروم کر دیا جو ایسی حالت میں میدان میں آ گئے تھے کہ ان کو پوری طرح تیار ہونے کا موقعہ بھی نہیں مل سکا تھا۔

بہرحال اس علاقہ میں ایک عرصہ سے کام ہو رہا تھا، مگر کام کی نوعیت کیا تھی اور کس کس کی سرگرمی میں کام چل رہا تھا۔ ان کی تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تحقیق یہ ہے کہ کام کی ابتداء مکاتب سے ہوتی تھی لیکن مکتب کو کس طرح تحریک کا مرکز بنایا جاتا تھا۔ اور یہ مکتب کہاں کہاں تھے یہ سب پردۂ خفا میں ہیں۔

والد محترم حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ کی تمنا تھی کہ وہ اس علاقہ کا دورہ فرمائیں اور تمام تفصیلات فراہم کریں اور ان سے رابطہ قائم کریں مگر افسوس اس کا موقعہ نہیں مل سکا۔

ہم شکر گزار ہیں جناب مولانا موسیٰ بھائی کرماڈی، طارق جلال صاحب اور ان کے مخلص احباب کے کہ ان کے ذریعہ اس تحریک کے متعلق حکومت ہند اور سی۔آئی۔ڈی کی کارگزاریوں کے اس ریکارڈ کا علم میسر آ گیا

---

۱ نقش حیات صفحہ ۲۰۹ ج ۲ ۲ نقش حیات صفحہ ۱۴۵ و صفحہ ۲۱۰ ج ۲ ۳ نقش حیات صفحہ ۲۱۲ ج ۲

۴ سرگذشت مجاہدین صفحہ ۵۵۳

جو انڈیا آفس لندن میں محفوظ تھا۔

اس ریکارڈ سے ریشمی خطوط سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کچھ افراد کی جدوجہد کا بھی علم ہوتا ہے، مگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی پوری تحریک کے متعلق پوری معلومات میسر نہیں آتیں۔ بنیادی غلطی یہ ہے۔ کہ سی۔ آئی۔ ڈی نے بانی تحریک مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ کو اور مولانا ابوالکلام آزاد کو قرار دیا ہے سی آئی ڈی کی نظر میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ بانی تحریک نہیں تھے، بلکہ مولانا سندھیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کو متاثر کیا تھا اور آلۂ کار بنالیا تھا سی۔ آئی۔ ڈی نے اپنے اس یقین کی بنیاد پر جو کچھ فراہم کیا وہ ان بندگوں کے متعلق تو کافی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی پوری تحقیق کا مرقع نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے حریم تقدس تک اس کے نظر و فکر کی رسائی ہی نہیں ہوئی تو تحریک کے اصل کارپردازوں اور ان کی کارگذاری کا صحیح علم تو کیا ہوتا ان کا وہم بھی نہیں ہو سکا۔

دس بارہ سال کا عرصہ ہوا دہلی میں جامع مسجد کے علاقہ میں بم پھینکنے کا سلسلہ چلا غالباً ایک سال تک چلتا رہا دو تین مہینے کے بعد بم پھینک دیا جاتا تھا یہ کیا سازش تھی اور اس کے سرغنہ کون تھے؟ سی۔ آئی۔ ڈی اس کا سراغ لگانے میں ناکام رہی۔ بظاہر اس کا سبب یہی ہے کہ اس کے دماغ پر پاکستان کا ہوّا مسلط رہا اور وہ اس کو پاکستانیوں کی حرکت سمجھتی رہی اور جو اس کے دائیں بائیں اسی دہلی کے باشندے ہوں گے۔ ممکن ہے وہ پاکستان کے دشمن اور اکھنڈ بھارت کے حامی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے ہم مشرب اور ہم پیشہ ہوں، ان کی طرف وہم و گمان بھی نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کی صورت حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے سلسلہ میں بھی ہے، جس کو سی۔ آئی۔ ڈی ریشمی خطوط سازش کیس کہتی ہے۔

بہرحال اس ریکارڈ سے یہ حقیقت تو واضح اور ناقابل تردید ہو گئی کہ موجودہ آزادی کو جس جدوجہد کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ ایک جماعت ایسی تھی جو اس سے پہلے سے یہ جدوجہد کر رہی تھی اور اس نے جہاد حریت کے لئے اپنے آپ کو اس وقت وقف کر دیا تھا۔ جب کہ "انڈین نیشنل کانگریس" نے مکمل آزادی تو درکنار "ہوم رول" اور "ڈومنین اسٹیٹس" کا نام بھی نہیں لیا تھا۔ بلکہ حکومت وقت کی رضاجوئی میں مشغول تھی اور عام فضا یہ تھی کہ سروں اور جان بہادروں کا موسم بہار تھا۔ اس وقت اس جماعت نے مکمل آزادی کے لئے جان کی بازی لگا دی تھی۔ "اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔" (آمین)

اس جماعت کے ارکان کی مدح و ستائش یا ان کی سفارش کرنا ان سطور کا موضوع نہیں ہے جو پیش لفظ کے طور پر لکھی جا رہی ہیں۔ نہ ان میں اس کی گنجائش ہے۔ البتہ اس جماعت کے ایک رکن مولانا عزیز گل صاحب کے متعلق چند کلمات لکھنے ضروری ہیں۔

پاکستان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ بنام "تحریک ریشمی رومال مولانا حسین احمد" کتاب کے مصنف ہیں، مولانا عبدالرحمٰن، اس کتاب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے یہ گل افشانی کی ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب جاسوسی کیا کرتے تھے۔

اس نفرت انگیز الزام کے ثبوت کے لئے صرف ایک غیر مستند بیان پیش کیا ہے۔ باقی خود ساختہ مدح فرمائے ہیں۔ کتاب کی تحریر کا ایسا انداز ہے کہ گویا حضرت والد صاحب (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ) نے خاص جلسوں میں سربستہ راز ظاہر فرمائے تھے اور عبدالرحمٰن صاحب نے ان کو قلمبند فرما لیا تھا۔

میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں جو تحریر کے انداز سے پیدا ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ کو نہ اتنی فرصت ملتی تھی اور نہ یہ عادت تھی کہ طلبہ کے ساتھ خاص مجلسیں کریں وہ چشمۂ فیض اور علم کے دریا تھے، حلقۂ درس میں یہ دریا موجزن ہوتا تھا۔ تشنگانِ علوم وہیں سیراب ہوتے تھے۔ طلبہ کو دعوت دے کر مجلس جمانا یہ ان کا طریقہ نہیں تھا۔ عبدالرحمٰن صاحب کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ باوزن تو کیا ہوتے ایسے بھی نہیں ہیں کہ کسی سنجیدہ مجلس میں ان کا تذکرہ کیا جائے۔ ان کا نام بھی "رسوائے زمانہ" جیسے توہین آمیز خطاب کیساتھ لیا جاتا ہے۔

طلبہ کے حلقہ میں بہت سی باتیں پھیلتی ہیں جو اکثر خود ساختہ ہوتی ہیں جن سے گرمیٔ مجلس کا کام لیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے انہیں ہفوات کو جمع کر کے بجائے "تو بہ" نام رکھ دیا ہے: "تحریک ریشمی رومال"

بہرحال نہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی شخصیت قابلِ اعتنا ہے۔ نہ وہ قرائن قابلِ التفات ہیں جن پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اس الزام کی بنیاد رکھی ہے مگر تعجب بھی ہے۔ اور افسوس بھی کہ ایک صاحب جنہوں نے حضرت شیخ الہند پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ جس پر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے۔ انہوں نے تقریباً دو صفحے ان ہفوات کو نقل کرنے میں رنگے ہیں اور ان قرائن کے متعلق فرمایا ہے۔ "محل غور" ہیں۔

غالباً مقالہ نگار صاحب کے نزدیک تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ متضاد قسم کے رطب و یابس جمع کر کے اپنی طرف سے محققانہ فیصلہ کرنے کی بجائے بارِ تحقیق پڑھنے والوں پر ڈال دیں اور فریضۂ غور و فکر اپنے بجائے ان کے ذمہ کر دیں۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پیش کردہ قرائن میں سب سے قوی قرینہ یہ ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب نے آخر میں ایک میم سے شادی کر لی تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔ "کیا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے مسلک کا فدائی انگریز سے رشتہ کر سکتا ہے۔"

اس قرینہ کا ایک جزو یہ ہے کہ کیا ایک مولوی کی مولویانہ آمدنی سے ایک میم کا تمدن پورا ہو سکتا ہے؟

مولوی عبدالرحمن صاحب یہ قرینہ پیش کر رہے ہیں۔ اور مقالہ نگار صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں۔ اور محقق مقالہ نگار صاحب کو یہ یاد نہیں رہا کہ انہوں نے خود اس محققانہ مقالہ میں درج کر دیا ہے کہ یہ نکاح مولانا عزیز گل صاحب کی خواہش پر نہیں بلکہ خود میم صاحب کی خواہش پر ہوا تھا۔[1]

یہ میم صاحبہ نکاح کے بعد رڑکی پھر دیوبند میں بھی کئی سال تک رہیں۔ کہا جاتا تھا کہ ان کا تعلق لندن کے معزز خاندان سے تھا۔ ذی علم اور صاحب مطالعہ تھیں، بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر ہندوستان میں اونچے عہدوں پر رہے تھے لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئیں تو زاہدانہ زندگی اختیار کر لی۔ یورپین تمدن کی بجائے دیوبند اور رڑکی کا قصباتی تمدن اپنایا۔ شدت سے پردہ کی پابند ہوگئیں، صوم وصلوٰۃ، اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن کریم ان کا مشغلہ تھا۔ تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ قرآن پاک کا ترجمہ بھی انگریزی میں لکھا مگر افسوس طباعت کا انتظام نہیں ہو سکا۔

ایسی خاتون کے متعلق بدبختی گناہ عظیم اور کسی خود ساختہ قرینہ کے لئے ایسی واجب الاحترام خاتون کا نام لینا "لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ" کے تحت ظلم ہے۔

مولوی عبدالرحمن صاحب کے سامنے کوئی خیالی عزیز گل ہیں جن کی زندگی بلند پایہ دولت مند کی سی رہی کیونکہ شیخ الہند رحمۃ اللہ کے رفیق اسیر مالٹا عزیز گل جن کا تعلق والد صاحب رحمۃ اللہ سے برادرانہ تھا۔ اور بڑے بھائی بھائی کی طرح حضرت بھی ان پر شفقت فرماتے اور ضرورت کے وقت تکفل بھی فرماتے تھے۔ ان کی زندگی تو ہمیشہ درویشانہ بلکہ طالب علمانہ رہی۔ نہایت سادہ بے تکلف۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی نشست گاہ میں رہا کرتے تھے پھر مسجد یا مدرسہ کے حجرہ یا کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کی کوٹھی یا پختہ مکان تو کیا، اپنے لئے جھونپڑی بھی نہیں بنائی۔

مالٹا سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے خادم خاص تھے۔ واپس ہوئے تو زمانہ تحریک میں خلافت کمیٹی دیوبند کے صدر رہے۔ کچھ تھوڑی سی تجارت بھی کرتے رہے، تنہا تھے، کسی کا خرچ ان کے ذمہ نہیں تھا ایک دفعہ لکڑیوں کی ٹال بھی کی۔ اسی میں سرمایہ ختم کر دیا تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ نے رڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں تقرر کرادیا عرصہ تک اسی مدرسہ کے صدر مدرس رہے، اسی زمانہ میں میم صاحبہ کی مجتسانہ نظر نے آپ کو زوجیت کیلئے منتخب کر لیا چند سال بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نکاح کا زمانہ ۱۹۳۰ء کے قریب کا ہے۔ جب کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ

---

[1] شیخ الہند مولانا محمود حسن از اقبال حسن خان ص۲۰۳۔

کی تحریک کا زمانہ جس میں جاسوسی ہوسکتی تھی۔ اس سے تقریباً پچیس سال پہلے یعنی ۱۵-۱۹۱۴ء کا تھا۔

قرائن کے سلسلہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے دو مجلسوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کی گفتگو کی خبر حکومت کو ہوگئی اور آپ کا خیال یہ ہے کہ شرکاء مجلس میں صرف مولانا عزیرگل صاحب ہی ایسے تھے جن کے ذریعہ خبر پہنچ سکتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ جن کارروائیوں میں مولانا عزیرگل صاحب نہیں تھے اور حکومت کے پاس ان کا بھی ریکارڈ تھا۔ اُن کی خبر کس نے پہنچائی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو کسی وجہ سے ذاتی طور پر حضرت مولانا عزیرگل صاحب سے کاوش ہے اسی لئے وہ توہمات کو قرائن دے رہے ہیں۔ اس میں خود اپنی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت کی دلیل بھی پیش کر رہے ہیں۔ خبر پہنچانے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجلس کا کوئی شریک ہی خبر پہنچائے۔ شرکاء مجلس کے دوسرے لوگوں سے بھی ذاتی تعلقات اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے کوئی جملہ بے احتیاطی اور بے خیالی میں نکل گیا تو وہ اسی کی خبر بناکر جہاں چاہتے ہیں، پہنچادیتے ہیں۔ ہر بڑے شخص کے ساتھ ایسے لوگ لگے رہتے ہیں۔ مولانا عزیرگل صاحب کا ماحول بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگا۔ اس الزام کو مولانا عزیرگل صاحب کے سر تھوپنا عناد اور کینہ پروری کی دلیل ہے۔

جن صاحب کے بیان کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے شہادت میں پیش کیا ہے۔ اوّل تو خود ان کی شخصیت غیر معروف ہے۔ پھر وہ ایسے شخص کی روایت پیش فرما رہے ہیں۔ جو مولانا عزیرگل صاحب کو پہچانتا نہیں تھا۔ صرف اس بناء پر وہ ایک شخص کو عزیرگل قرار دے رہا ہے کہ وہ پشتو بولتا تھا۔ گویا ہر پشتو بولنے والا عزیرگل ــــــ بہرحال عبدالرحمٰن صاحب کوئی سنجیدہ اور قابل اعتنا شخص نہیں ہیں، کہ ان کی باتوں کا خیال کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے ان بیہودہ خرافات کو اہمیت دی اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ نے جس طرح مولانا عزیرگل صاحب کی توثیق کی ہے۔ اور ان کی فداکارانہ خدمات بیان کی ہیں، ان کو اپنے مقالہ میں دو جگہ صفحہ ۳۵۲ اور صفحہ ۳۰۹ پر نقل کیا مگر ان پر اعتماد نہیں کیا۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تحریک کے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی کا ریکارڈ سامنے آیا تو اس میں بھی وہی ہے جو حضرت والد صاحبؒ نے نقش حیات میں تحریر فرمایا ہے۔ پورے ریکارڈ کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ اسی کے پیش لفظ کے طور پر یہ سطور لکھی جارہی ہیں۔ اس کے دوسرے حصہ میں "کون کیا ہے؟" کے تحت میں نمبر ۶۹ ملاحظہ فرمایئے بقول مولانا عبدالرحمٰن صاحب، حضرت مولانا عزیرگل صاحب جن کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے۔ وہی لکھ رہے ہیں۔ "جب سے وہ دیوبند میں تھا تب ہی سے مولانا محمود حسنؒ

باقی صفحہ ۵۸ پر

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ
سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند

عقیدۂ حیات
نزول عیسیٰ ابن مریمؑ

قرآن و سنت کی روشنی میں

قسط (۲)

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ج وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ج وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ط

(النساء: ۱۵۶ تا ۱۵۹)

یہودیوں کے دلوں پر بندش ہدایت کی مہر لگ چکی ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم پر بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو جو خدا کے رسول تھے قتل کر ڈالا اور انہوں نے ان کو نہ قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا لیکن شبہ پڑ گیا انکو۔ اور جو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اختلاف کرتے تھے وہ شک میں ہیں، ان کو علم نہیں صرف اٹکل پچو باتوں پر چلتے ہیں اور انہوں نے یقیناً حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اور اہل کتاب کا کوئی گروہ نہیں، مگر وہ حضرت عیسیٰؑ پر اس کے مرنے سے پہلے ایمان لائے گا اور وہ ان کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔

اس آیت میں چند امور بیان ہوئے ہیں:

ا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ نہ قتل ہوئے نہ سولی پر چڑھائے گئے۔ جو لوگ قتل اور صلیب کے قائل ہیں

جیسے یہود و نصاریٰ، وہ قطعاً غلطی پر ہیں۔ قرآن نے واضح الفاظ میں ان کی تردید کی۔ مرزائیوں یا مرزا کا یہ کہنا کہ سولی پر چڑھائے گئے ہیں، لیکن سولی پر مرے نہیں۔ یہ قول بھی یہود و نصاریٰ کی طرح قرآن کے خلاف ہے۔ مَا صَلَبُوْہُ کا یہ معنی تراشنا کہ سولی پر نہیں مرے لغت عرب کے خلاف ہے۔ صلب کے معنی سولی پر چڑھانا اور ما صلب کا معنی سولی پر نہ چڑھانا ہے۔ یہ قطعاً قرآن کی تحریف ہے۔ کہ ما صلبوہ کا یہ معنی لیا جائے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا لیکن سولی پر اس کو موت نہیں آئی۔

۲۔ آیت میں وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا کے بعد فرمایا: بَلْ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ قتل نہیں ہوئے اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھایا۔ ما قتلوہ اور بل رفعہ اللہ میں ضمیر حضرت عیسیٰؑ کو راجع ہے۔ اور عیسیٰؑ نام ہے جسم اور روح دونوں کا یعنی عیسیٰ جو مجموعہ روح و جسم کا ہے اس پر قتل واقع نہیں ہوا بلکہ بجائے قتل کے رفع الی اللہ واقع ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہاں جس ذات سے قتل کی نفی ہوتی اسی کے لئے رفع کا اثبات ہے اور قتل نہ صرف جسم کا ممکن ہے اور نہ صرف روح کا بلکہ جسم اور روح کے مجموعہ پر قتل واقع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قتل کا مفہوم یہ ہے کہ کسی خارجی مؤثر کے ذریعہ روح کو جسم سے الگ کیا جائے۔ جب غیر مقتول جسم مع روح ہے تو مرفوع الی اللہ بھی جسم و روح کا مجموعہ ہوگا۔

۳۔ اس کے علاوہ جب رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر واقع ہے تو جب تک اس کے خلاف قرینہ نہ ہو تو جسمانی رفع ہی مراد ہوگا۔ جیسے سورہ یوسف میں وَرَفَعَ اَبَوَیْہِ عَلَی الْعَرْشِ۔ کہ حضرت یوسفؑ نے والدین کو تخت پر اٹھایا جس کا معنی جسم اور روح دونوں کا اٹھانا ہے نہ کہ والدین کی روح کو اٹھانا۔

۴۔ اگر روحانی رفع لیا جاوے تو یہ چند وجوہات سے غلط ہے۔

ایک وجہ یہ کہ مجاز کو اختیار کرنا ہے بلا قرینہ مثلاً یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ یہاں چونکہ جسمانی رفع مراد نہ تھا دینی رفع مراد تھا تو بطور قرینہ لفظ درجات پا گیا۔ اسی طرح وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔ یہاں بھی قرینہ موجود ہے جو لفظ درجات ہے۔

دوسری وجہ روحانی رفع مراد لینے کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا بَلْ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف

اٹھایا۔ اب روحانی رفع مراد لینے میں معنی یہ ہوگا، کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کا مرتبہ بلند کیا جو بالکل تحریف اور غلط ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس واقعہ سے قبل چالیس سال پیغمبر کی حیثیت سے زمین پر رہے اور پیغمبر کے مرتبہ کی بلندی پیغمبر کے وقت سے ان کو حاصل ہوتی ہے۔ تو اس وقت مرتبہ کی بلندی کی تخصیص بے فائدہ ہے۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں بَلْ کا استعمال دو مقابل چیزوں میں ہوتا ہے۔ لیکن یہاں اگر رفع سے روحانی رفع اور مرتبہ کی بلندی مرزائی تحریف کے مطابق لی جائے تو مقابلہ فوت ہو جائے گا جس سے بَلْ کا استعمال غلط پڑے گا۔ کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب و مقتول نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اس کا مرتبہ بلند کیا۔ اگر کوئی پیغمبر یا مومن ناحق مقتول و مصلوب ہو جائے تو وہ شہید ہوگا اور شہید کا مرتبہ بلند ہوتا ہے تو اس کا مقابلہ بل رفعہ اللہ کے لئے درست ہوگا جب کہ اس سے بھی مرتبہ کی بلندی اور رفع روحانی مراد ہوگا۔ مرزائی تحریف کا یہ دعویٰ کہ بائیبل کی رو سے مصلوب ملعون ہوتا ہے۔ اس لئے ملعونیت کی نفی اور مرتبہ کی بلندی میں مقابلہ صحیح ہوا، یہ بھی جھوٹ اور غلط ہے۔ بائیبل میں صاف لکھا ہے کہ جو کسی جرم سے مصلوب ہو وہ ملعون ہے نہ وہ مصلوب جو ناحق سولی دیا گیا ہو بلکہ وہ تو شہید ہوگا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ روحانی رفع اللہ نے ہر نبی کو عطا کیا ہے۔ خصوصاً خاتم الانبیاء کو سب سے بڑھ کر روحانی رفع عطا ہوئی۔ تو اگر یہی معنی مراد ہوتا اور رفع جسمانی آسمانی مراد نہ ہوتا، تو بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ کے الفاظ ہر نبی کے حق میں مذکور ہوتے خصوصاً خاتم الانبیاء علیہ السلام کے حق میں تو حضرت مسیحؑ سے رفع کی خصوصیت باقی نہ رہتی۔ خصوصیت صاف بتلا رہی ہے۔ کہ یہ رفع جسمانی جو صرف حضرت مسیحؑ سے خاص ہے۔ یا جس کو رفع جسمانی ہو چکا ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس رفع کے بعد قرآن میں وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ کے الفاظ آئے ہیں جو اسی انداز میں کسی اور نبی کے بارے میں نہیں آئے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع جسمانی مراد ہے۔ جس میں قدرت و قوت کا بھی ظہور ہے، جس پر لفظ عزیز دلالت کرتا ہے۔ اور حکمت کا بھی ظہور ہے۔ جس پر لفظ حکیما دلالت کرتا ہے۔ جس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

دوسرا جزء آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے وہ ہے، وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ اہل کتاب کا کوئی فرقہ نہ ہوگا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے۔ حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے۔ بِهٖ اور مَوْتِهٖ دونوں ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ لَيُؤْمِنَنَّ کا لفظ جس میں نون تاکید ثقیلہ ہے۔

جو مضارع کو مستقبل سے مختص کرتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس آیت کے مضمون کا تعلق نزول قرآن کے مابعد زمانے سے ہے۔ اور ایسے زمانے سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب سے زمینی تعلق قائم ہو جو نزول مسیح کا زمانہ ہے۔ جس سے مسیح کا نزول ثابت ہوا اور بل رفعہ اللہ سے صعود ثابت ہوتا ہے۔ تو پوری آیت رفع و نزول دونوں پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صحیحین کی حدیث بروایت ابی ہریرۃ نزول مسیح علیہ السلام کی حدیث مرفوع کے بعد ابوہریرۃ فرماتے ہیں: فاقرؤا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ۔ جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ نزول مسیح من السماء کے بعد اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔ یہ مسئلہ خالص نقلی ہے عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ابوہریرۃ کا موقوف اس میں مرفوع کے حکم میں ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام سے ابوہریرۃ نے یہ ضرور سن لیا ہوگا کہ تمام کتابیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ان کے آخر زمانے میں نازل ہونے اور تشریف لانے کے بعد ضرور ہوگا۔ باقی مَوْتِهٖ کی ضمیر کتابی کو لوٹانا صحیح نہیں۔ ایک تو انتشار ضمائر شان بلاغت کے خلاف ہے۔ دوم مَوْتِهٖ کی قید لغو ہوکر شان بلاغت کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ ہر کتابی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ حالانکہ ایمان تو مرنے سے پہلے لایا جاتا ہے۔ جیسے نماز روزہ کو مرنے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔ تو جو چیز عقل سے معلوم ہو اس کو بطور قید لانا کہ وہ مرنے سے پہلے ایمان لائیں گے ایسا ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ میں نے روٹی کھائی مرنے سے پہلے، پانی پیا مرنے سے پہلے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر بلیغ کلام ہے۔ اگر یہ توجیہ کی جائے کہ حالت نزع میں ایمان لائیں گے تو یہ ایمان غیر معتبر ہے۔ ورنہ فرعون بھی مومن قرار پائے گا۔ تو ایسے غیر معتبر ایمان کا ذکر ہی ...... عبث ہے۔ اس کے علاوہ نزع کی حالت میں تو ہر کافر اپنے نبی پر ایمان لاتا ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس امر کی تخصیص نہیں رہی۔

۴۔ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ج اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ط	حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہے۔ قیامت میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔ شیطان تم کو اس بات کے ماننے سے نہ روکے۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(الزخرف آیۃ ۶۱، ۶۲)

عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی علامت دو وجہ سے ٹھہرایا گیا۔ ایک ان کی بلا باپ پیدائش جو مُردوں کو

دوبارہ زندہ کرنے کی دلیل ہے۔ دوم قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول جو قربِ قیامت کی نشانی ہے۔ سیاق و سباق کے مطابق اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ اور اس کے سوا جو بھی رائے ہو وہ ضعیف ہے۔ ابن ماجہ ص ۳۰۹ باب فتنۃ الدجال میں حدیثِ اسراء کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کا سوال ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے واقع ہونے کا وقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جب دجال کا ذکر ہوا تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: میں نازل ہوں گا اور اس کو قتل کروں گا۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر نے آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت سے پہلے ابن عباس، ابی مالک، عوف، مجاہد، قتادہ، سدی، ضحاک و ابن زید کی روایات سے نقل کیا ہے۔ جو آپ کے نزول کی دلیل ہے اور آیت مذکورہ میں اسی نزول کے پیش نظر حضرت عیسیٰؑ کو قیامت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ یہی صحیح معنی ہے۔ اگر بغیر باپ کی پیدائش کی علامت ہوتی تو اس اطلاق کے زیادہ حق دار حضرت آدم تھے جن کی پیدائش ماں اور باپ دونوں کے بغیر ہوئی لیکن قرآن میں علم للساعۃ کا اطلاق اُن پر نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ مرادِ الٰہی علامت قیامت کا حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے قربِ قیامت میں نزول ہے اور جو اس عقیدے سے روک دے وہ شیطان ہے۔ فَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۔ تم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کے عقیدے سے شیطان روک نہ دے۔ یعنی اس عقیدے سے روکنے والا قرآن کے اس ارشاد کے مطابق شیطان ہے ــــــــ

۵۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ (آل عمران آیۃ : ۴۵)	(اس وقت کو یاد کرو) جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریمؑ بیشک اللہ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا اس کا نام مسیح عیسیٰؑ بن مریمؑ ہوگا باآبرو ہوں گے دنیا میں اور آخرت میں اور منجملہ مقربین کے ہوں گے۔

یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کا مقربین سے ہونا بیان ہوا ہے۔ دوسری جگہ اہلِ جنت کے حق میں سورۃ واقعہ میں بیان ہوا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۔ تیسری جگہ ملائکہ کے حق میں آیا ہے۔ لن يستنكف المسيح ان يكون عبد الله ولا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ مسیح کو اللہ کے بندہ ہونے سے عار نہیں اور نہ مقرب ملائکہ کو عار ہے۔ ان تینوں جگہ میں قرب سے

مراد قرب جسمی وحسی وسماوی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی آیت کی تفسیر میں امام رازی نے تفسیر کبیر اور ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جسم کے ساتھ اٹھایا جانا ذکر کیا ہے۔ اور مدارک، خازن، سراج المنیر اور کشاف میں ہے۔ فَكَوْنُهُ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقربین میں سے ہونا، ان کو آسمان پر اٹھانا اور ملائکہ کی صحبت اختیار کرنا اور پھر باقیماندہ امور کی تکمیل کے لئے ان کا زمین پر نزول فرمانا مثلاً نکاح، حج، جہاد کرنا اور مسیحی اقوام کے فتنوں کو مٹانا۔

حیات ونزول مسیحؑ حدیث کی روشنی میں

۱- بخاری میں ابوہریرۃؓ نے حضور علیہ السلام سے جو حدیث نقل کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے خدا کی کہ عیسیٰ اوپر سے تم میں نازل ہوگا۔ حضرت مریم کا فرزند جو حاکم ہوگا انصاف والا، صلیبی قوت توڑ دے گا۔ اور خنزیر کے قتل کا حکم دے گا۔ اور تمام لوگوں کے مسلمان ہو جانے سے جہاد کی ضرورت نہ رہے گی اور لوگوں کو اس قدر مال دے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا اور عبادت کی محبت اس قدر بڑھ جائے گی کہ لوگوں کو ایک سجدہ تمام دنیا کی دولت سے بہتر نظر آئے گا۔ پھر ابوہریرۃ نے اس کی تصدیق کے لئے اس آیت کی طرف توجہ دلائی جس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت کوئی کتابی نہ ہوگا۔ مگر ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام پر۔ (بقول مرزا صاحب قرآن کے بعد اصح کتاب بخاری کی حدیث ہے)

۲- حدیث دوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے اور عیسیٰ کے درمیان نبی نہیں۔ اور وہ اتریں گے جب اس کو دیکھو تو پہچان لو۔ وہ قامت کے درمیانے ہیں۔ سرخ و سفید ہیں۔ دو زرد کپڑوں میں اتریں گے۔ سر کے بال اس کے ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا اس سے پانی ٹپکتا ہے۔ اگرچہ اس کو پانی نہیں پہنچا ہوگا۔ تو اسلام پر لوگوں سے جہاد کریں گے۔ صلیبی قوت توڑ دیں گے۔ خنزیر کے قتل کا حکم دیں گے۔ جزیہ موقوف کریں گے۔ اس کے وقت اسلام کے سوا تمام ادیان کا خاتمہ ہوگا، دجال کو قتل کریں گے۔ زمین میں چالیس برس رہیں گے۔ پھر وفات پائیں گے اور مسلمان اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔
(ابوداؤد عن ابوہریرۃ مرفوعاً ج۲ ص۲۳۸)

۳- مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ میں عبد اللہ بن عمروؓ نے حضورؐ سے نقل کیا ہے۔ کہ ابن مریم زمین پر اتریں گے۔ شادی کریں گے اور اولاد پیدا ہوگی اور ٹھہریں گے۔ زمین پر پینتالیس برس پھر فوت ہوں گے۔ اور دفن ہوں گے۔ میرے مقبرہ میں تو قیامت میں اٹھیں گے۔ ہم اور عیسیٰ ابن مریم ایک مقبرہ سے [illegible] ابوبکر و عمر کے درمیان ہوں گے۔

۴۔ صحیح مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ دمشق کے مشرق میں سفید منارہ پر اتریں گے۔ دو کپڑوں میں درمیان دو فرشتوں کے۔ دونوں ہتھیلی فرشتوں پر رکھے ہوئے ہوں گے، دجال کو باب لُدّ پر پائیں گے تو اس کو قتل کریں گے۔

آیاتِ حیاتِ مسیح علیہ السلام کثیر التعداد ہیں اور احادیث تو حدِّ تواتر کو پہنچتی ہیں۔ جو ۲۹ صحابہؓ سے منقول ہیں۔ لیکن ہم نے بغرضِ اختصار پانچ آیات اور صرف چار احادیث پر اکتفاء کیا۔ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے تحفظِ ایمان اور گمراہی سے بچانے کے لئے حضرت مسیح کی جو علامات ذکر کی ہیں، وہی کافی شافی ہیں اور جو گمراہ ہیں کہ استعارات اور مجازات سے وہ پوری تاریخ اور ایک دنیا کو بدل سکتے ہیں ان کے لئے قرآن و احادیث کا دفتر بھی بے کار ہے۔ ان چار احادیث سے حضرت مسیح موعود کی معرفت کی جو واضح علامات ہیں وہ نمبروار حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ مسیح موعود کا باپ نہ ہوگا۔ اس لئے عام ضابطہ کے خلاف وہ اپنی والدہ مریمؑ سے منسوب ہوگا۔ لیکن مرزا غلام احمد کا باپ تھا۔ مرزا غلام مرتضیٰ تھا۔ اور اسکی والدہ نام ممتاز بی بی تھا۔ اور وہ باپ سے منسوب تھا نہ کہ ماں سے۔

۲۔ وہ حاکم ہوگا لیکن مرزا غلام تھا۔ اور انگریزی حکومت کا غلام تھا۔

۳۔ عادل ہوگا۔ عدل اللہ کے قانون چلانے کا نام ہے۔ مرزا کے وقت شرعی قانون بند تھا اور انگریز کا قانون خود اُس پر اور اس کے مریدوں پر بھی نافذ تھا۔

۴۔ صلیبی قوت کو توڑ دے گا۔ مرزا کے وقت میں صلیبی قوت کو اس قدر غلبہ حاصل ہُوا کہ اس سے پہلے نہ تھا۔ خود ان کا باپ ان کے اقرار کے مطابق پچاس گھوڑوں کے سواروں کو مہیا کرکے تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء میں صلیبی قوت کو ہندوستان پر مسلط کرنے کے لئے لڑا اور خود مرزا نے تحفہ قیصریہ میں اپنے آنے کا مقصد یہ ظاہر کیا کہ میں انگریز کی صلیبی حکومت کے لئے ایک ایسی فوج تیار کردوں جو انگریز کی حکومت کی وفادار ہو۔

۵۔ اس کے وقت میں خنزیر خوری کا خاتمہ ہوگا۔ لیکن مرزا کے وقت میں اس میں اضافہ ہُوا۔

۶۔ وہ لوگوں پر اس قدر مال برسائے گا۔ کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ مرزا نے مال نہیں دیا، بلکہ لینا شروع کیا۔ چندہ عام اور چندہ بہشتی مقبرہ کو شرطِ ایمان قرار دیا۔

۷۔ عبادت کا ذوق اتنا بڑھے گا کہ ایک سجدہ کی قیمت لوگوں کی نگاہوں میں ساری دنیا سے زائد ہوگی۔ لیکن مرزا کے وقت میں نصاریٰ نے مسلمانوں کو مرتد بنانا شروع کیا۔ اور لاکھوں کو مرتد کیا۔

۸۔ وہ آسمان سے زمین پر اتریں گے۔ لیکن مرزا زمین ہی میں پیدا ہوئے۔ اور زمین ہی پر رہے۔
۹۔ فرشتوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ لیکن مرزا کو کسی فرشتہ کا دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔
۱۰۔ دمشق کے سفید منارہ پر نزول فرمائیں گے۔ لیکن مرزا کو عرب کی سرزمین کی زیارت بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔
۱۱۔ باب لُدّ پر یہودی دجال کو قتل کریں گے۔ لیکن مرزا کو نہ لدّ کا دیکھنا نصیب ہوا۔ اور نہ دجّال کا۔ البتہ اس کی روحانی اولاد نے دجّال کی قوم یہود سے تل ابیب میں تعلق پیدا کیا جب کہ تمام عالم کا ان سے تعلق منقطع ہو چکا ہے۔ شاید کہ ظہور دجّال کے وقت امداد کے لئے حاضر رہیں۔
۱۲۔ اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ لیکن سب باطل ادیان مرزا کے وقت باقی رہے بلکہ اور نئے باطل ادیان بھی خلاف اسلام پیدا ہوئے جن میں خود ایک دین مرزائیت ہے۔ جو وحدت اسلامی کے برخلاف ایٹم بم ہے۔
۱۳۔ حج کریں گے۔ مرزا کو موت تک حج نصیب نہ ہوا۔
۱۴۔ وہ شادی کریں گے اور اولاد ہوگی۔ یعنی نزول سے قبل نہ اس نے شادی کی ہوگی اور نہ اولاد ہوگی۔ لیکن مرزا کی شادی اور اولاد دعویٰ سے قبل موجود تھی۔
۱۵۔ جہاد کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے۔ مرزا نے جہاد کرنے کی بجائے خود جہاد کو حرام ٹھہرا کر نصاریٰ کے استعمار کے لئے راہ صاف کیا۔ جزیہ کا تو سوال ہی نہیں رہا۔
۱۶۔ باشندگان زمین کا ایک ہی دین یعنی اسلام ہوگا۔ اس لئے مختلف مذاہب کی لڑائیاں موقوف ہوں گی۔ لیکن مرزا کے وقت میں مختلف مذاہب نے مسلمانوں پر ہندوستان، ترکی، فلسطین، شمالی افریقہ میں جو مظالم کئے۔ ان کی تاریخ میں نظیر نہیں۔ یہ سب مرزا کی برکت تھی۔
۱۷۔ امن قائم ہوگا اور جنگ ختم ہوگی لیکن مرزا کے وقت میں اور اس کے بعد امن کا نام و نشان مٹ گیا اور جنگ کے لئے وہ مہلک اوزار تیار کئے گئے کہ مرزا اور اس کے بعد کی ایک جنگ کی تباہی سابق زمانے کی سینکڑوں جنگوں کی تباہی سے زیادہ ہے۔

ان علامات کے لحاظ سے مرزا کی شخصیت ضد مسیح موعود ہے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ مجازات و استعارات کی مشین سے پوری تاریخ بھی بدلائی جاسکتی ہے جس کی نہ قادیان میں کبھی کمی رہی نہ ربوہ میں۔ تو ایسی صورت میں تمام قرآن و حدیث بلکہ پوری تاریخ کو بازیچۂ اطفال بنایا جاسکتا ہے۔ اور ایسا کرنے سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ پھر قادیانی و مرزائی تاویلات کے آگے ہر چیز کی حقیقت

بدلائی جاسکتی ہے۔ اور الفاظ اور تعبیرات سے کسی مقصد کا تعین ممکن نہیں بلکہ مرزائیوں کے لئے الفاظ ربڑ کا ایک ایسا تسمہ ہے کہ جہاں تک چاہو اس کو پھیلا سکتے ہو اور ایسی صورت میں کہ نزول مسیح کی علامات اس کی ضد پر بھی چسپاں کئے جاسکتے ہیں۔ تو پھر ان علامات کا بیان ہی بے فائدہ رہا کیونکہ علامات سے مسیح کی شخصیت کا تعین مقصود تھا۔ اور جب نہ نام سے تعین ممکن نہ والدہ کے نام سے، نہ مکان سے نہ مقاصد نزول سے بلکہ ان تمام علامات کی ضد شخصیت کو بھی اس میں گھسیٹا جاسکتا ہے تو تمام نظامہائے سلطنت کے دفتری الفاظ بھی تاویل سے لغو اور بے فائدہ ہوسکتے ہیں۔

شیخ اکبر اور حیات عیسیٰ علیہ السلام | شیخ اکبر فتوحات مکیہ باب ص ۳۶۷ میں لکھتے ہیں

فی حدیث المعراج فلما دخل بجسدہ فانہ لم یمت الی الآن بل رفعہ اللہ الی ھذہ السماء واسکنہ وحکمہ فیھا وھو شیخنا الذی رجعنا علی یدہ ولہ بنا عنایۃ عظیمۃ ولا یغفل عنا ساعۃ وارجو ان ادرکہ فی نزولہ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث معراج میں ہے کہ وہ داخل ہوئے تو ان کو عیسیٰ اسی جسم کے ساتھ ملے۔ کیونکہ وہ اب نہیں مرے بلکہ اللہ نے اس کو اس آسمان تک اٹھایا۔ اور اس میں بسایا اور اس کا حکم اس میں چلتا رہا۔ اور وہ ہمارے پہلے شیخ ہیں جس کے ہاتھ پر ہم نے خدا کیطرف رجوع کیا۔ ان کو ہم پر مہربانی ہے۔ اور ہم سے وہ غفلت نہیں کرتے مجھے امید ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں اس کے زمین پر نازل ہونے کا زمانہ پالوں گا۔

حیات مسیحؑ تاریخی نقطۂ نظر سے

حضرت مسیح حضور علیہ السلام کے قریب تر پیغمبر ہیں اور تمام نصاریٰ اور مسلمان ان کی عظمت اور شخصیت کو مانتے ہیں۔ نصاریٰ نے بالخصوص ہزاروں سال کے آثار قدیمہ کو دریافت کیا لیکن نہ خود نصاریٰ اور نہ مورخوں کو پتہ لگا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرنے سے بچ کر فلسطین سے طویل سفر کاٹ کر کشمیر آئے اور پھر وہیں فوت ہوکر محلہ خانیار میں دفن ہوئے اور نہ ہندوستان اور کشمیر والوں کو پتہ لگا۔ صرف مرزا کو دعویٰ مسیحیت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے نئی تاریخ بنانی پڑی۔ اگر اس طرح فرضی تاریخ گھڑنا درست ہو تو تمام گذشتہ انبیاء اور سلاطین کی تاریخیں ناقابل اعتبار قرار پائیں گی بلکہ پوری تاریخ ناقابل اعتبار بن جائے گی۔

(باقی آئندہ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
مہتمم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ندوۃ العلماء کے جشنِ تعلیمی کا خطبہ استقبالیہ

برصغیر کے مسلمانوں کی علمی و دینی خدمات کا ایک جائزہ

۲۵ شوال ۱۳۹۵ھ م ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ کا عظیم الشان جشن تعلیمی منعقد ہوا جس میں عالم عرب افریقہ اور یورپ سے مایۂ ناز علماء، مفکرین اور مشائخ نے شرکت کی یہ برصغیر کی تاریخ کا ایک شایانِ شان علمی جشن اور مسلمانانِ برصغیر کی عظیم علمی خدمات کا اعتراف تھا۔ ہمارے مخدوم حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے استقبالیہ خطبہ پیش کیا اور اپنے مکتوبات گرامی کے ساتھ الحق میں اشاعت کے لئے بھی ارسال فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ "یہ اس تحتی برِ اعظم کے مسلمانوں کے ایک منشور اور میثاق کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کی علمی و دینی خدمات کا ایک دیانتدارانہ جائزہ ہے۔" ادارہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

جناب صدر، معزز نمائندگان، مہمانانِ کرام، شرکاء اجلاس!

سب سے پہلے میں اپنی طرف سے نیز اپنے رفقاء کار، جماعت علماء، ملتِ اسلامی ہند کیطرف سے آپ کی خدمت میں اسلام اور علم کا دوہرا اسلام پیش کرتا ہوں یہ سلام ہے نئے اور چھوٹے ساتھیوں کا، اپنے بڑے اور تجربہ کار ساتھیوں کو، ہمراہیوں اور رفیقوں کا ہمراہیوں اور رفیقوں کو، اس لئے کہ ہم سب اسلام کے رواں دواں قافلہ میں شامل اور علوم اسلامیہ کے طویل کارواں کے ہمسفر ہیں استادی و شاگردی، بزرگی و خوردی اور اصل و نقل کے اعتبار سے ہمارے درمیان یقیناً فرق و تفاوت ہے، لیکن اسلام کے سایۂ عاطفت اور علم کے مقدس رشتہ نے ہم کو ایک لڑی کے موتیوں کیطرح پرو دیا ہے۔ ہم سب اسلام ہی کے ساختہ پرداختہ قرآن کے خوانِ کرم کے ریزہ چیں، اور درسگاہِ محمدی کے مختلف درجوں اور استعدادوں کے طالب علم اور مکتب نشیں ہیں۔

حضرات! میں آپ کا ہندوستان کی اس سرزمین میں خیر مقدم کرتا ہوں، جہاں مذہب، تہذیب و ثقافت کی پوری تاریخ میں ایک انوکھا اور منفرد تجربہ کیا گیا۔ اور یہ تجربہ غیر معمولی اور بے مثال طریقہ پر

کامیاب رہا۔ اس سرزمین میں جب اسلام کے قدم آئے تو اس کے جلو میں علم و تہذیب بھی تھی۔ اور وہ مسلک زندگی بھی، جو زبان، کلچر، قوم و نسل اور قومی عادات و خصائل کا پابند نہیں، دیکھنے والوں کو بہت جلد نظر آ گیا کہ اسلام کے خمیر میں ایک ایسی باطنی قوت پوشیدہ ہے جو خوابیدہ صلاحیتوں کو جگاتی، ذہانت کے خشک سوتوں کو روانی بخشتی اور انسانی صلاحیتوں اور طاقتوں کو، انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنا سکھاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ انسان کی فطرتِ سلیم خود بڑھ کر دینِ فطرت کا استقبال کرتی ہے اور اس کے ساتھ اس طرح ہمنوا اور ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ جیسے وہ اس کے انتظار میں دن گن رہی تھی۔ اس سے ہمیں جہاں اس دین کی اس مخفی صلاحیت و طاقت کا اندازہ ہوا، وہاں اس زمین کی نرمی اور زرخیزی کا بھی جس نے اس نہالِ تازہ کو اس آسانی کے ساتھ قبول کیا۔ اور پھلنے پھولنے کا موقع دیا، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علومِ اسلامیہ کا درخت ہر طرح کی زمین اور ہر قسم کی آب و ہوا میں برگ و بار لاتا اور نئے نئے شگوفے کھلاتا ہے۔ نیز یہ کہ دوسرے شاداب درخت سے قلم لگانے سے اس کی قوتِ نمو، اور شادابی بڑھ جاتی ہے۔

ان حقیقتوں کے ساتھ ایک اور نئی حقیقت کا انکشاف ہوا، جو اقوام و ملل کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، وہ یہ کہ تنہائی اور مسافرت کے احساس، اپنے اصل سرچشمہ سے دوری، تازہ رسد اور نئی کمک سے مایوسی نے اس نووارد کا حوصلہ پست، اور اس کو اپنے مستقبل سے مایوس اور ہراساں کرنے کی بجائے اس کے دل کو ایک نئی طاقت اور نئے جوش اور نئے اعتماد سے معمور و مخمور کر دیا۔ اس نے اس صورتِ حال سے شکستگی اور مایوسی کا سبق لینے کی بجائے ہمت و جرأت، خدا کی نصرت غیبی، اور اپنے ناتواں بازوؤں پر اعتماد کرنے کا سبق لیا، اس کو اپنے پیغام و دعوت کی صلاحیت و افادیت اور اس ملک میں اس کی ضرورت پر یقین تھا، یہ احساس کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام کی ایک دور دراز سرحد کا محافظ اور پاسبان بنایا ہے اور اس کے دفاع کی ذمہ داری تنہا اسی کے سر پر ڈالی ہے۔ ایک مختصر سے مختصر اقلیت کو ایسی قوت عطا کرتی ہے جس سے انقلاب انگیز اور محیر العقول کارنامے وجود میں آتے ہیں۔ وہ ہر آزمائش میں پوری اترتی ہے۔ وہ اقوامِ عالم کے سابقہ تجربات کی تردید کرتی ہے۔ اور مادہ پرستانہ منطق اور ریاضی کے جامد اصولوں اور اعداد و شمار کے بے روح و بے رحم فلسفے کو غلط ثابت کر دیتی ہے۔

اسلام کا یہ مختصر اور اولین قافلہ، اس ملک میں پردیسی کی طرح وارد ہوتا ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کو اپنا عزیز وطن اور محبوب مسکن بنا لیتا ہے۔ اس ملک کے اصلی باشندے اس کی محبت کا دم بھرنے

لگتے ہیں۔ اور ان نو وارد انسانوں کی شکل میں ان کو محبت کرنے والے بھائی، شفیق استاد، خیر خواہ حاکم، آزمودہ کار منتظم، ماہر فن کاریگر، اور بلند پایہ عالم و دانشور مل جاتے ہیں۔ یہ اسلامی نوآبادی، اپنی ذہنی صلاحیت علمی تجربہ، قوت ایجاد و اختراع، قوت عمل اور انتظامی صلاحیت کا ایک ایک قطرہ اس سرزمین میں نچوڑ دیتی ہے۔ یہاں ترکوں کی سپہ گری و ترک تازی، مغلوں کی اولوالعزمی، افغانوں کی غیرت قومی، ایرانیوں کا ذوق جمال و رعنائی خیال، عربوں کی حقیقت پسندی اور ذوق سلیم، ملک کے باشندوں کی نرم خوئی اور صلح جوئی اور شعر و نغمہ و فلسفہ و تصوف سے فطری مناسبت سے آکر گھل مل گیا۔ ان سب مختلف (اور بعض اوقات متضاد) صفات پر اسلام کے عقیدۂ توحید کا پرتو اور اس کی عادلانہ تعلیمات کا عکس اس طرح پڑا کہ اس نے ان کو ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کیا اور ان کو ایک دوسرے سے شیر و شکر کر کے ایک نئی زندگی بخشی، اس کے نتیجہ میں ایک نئی تہذیب وجود میں آئی جس کو ہم بجا طور پر "اسلامی ہندوستانی تہذیب" کہہ سکتے ہیں۔

اس نئے عہد کے آغاز کے ساتھ ہندوستان میں ایک نیا تہذیبی، فکری و علمی دبستان وجود میں آیا جو اپنی ایک مستقل شخصیت اور نمایاں کردار رکھتا تھا، اس نے بڑی تعداد میں ایسے ماہرین فن، موجدین علوم اور ارباب فضل و کمال پیدا کئے جو خود مختلف مکاتب خیال کے بانی تھے۔ جنہوں نے علم کی نئی دنیاؤں سے اس ملک کو روشناس کیا اور نہ صرف علوم دینیہ تفسیر و حدیث، اور فقہ و عقائد میں ان کی پیشوائی و سربراہی تسلیم کی گئی بلکہ عربی لغت و زبان و ادب میں بھی علماء عرب نے ان کا لوہا مان لیا۔ اور ان کی بعض تصانیف نے ان علوم میں بنیادی ماخذ اور سند کی حیثیت اختیار کر لی۔ ان میں کچھ کتابیں پورے اسلامی کتب خانہ میں اب تک بے نظیر اور منفرد ہیں۔

اس مدرسۂ فکر نے تصنیف و تالیف کی اس تحریک کو جو آٹھویں صدی ہجری (پندرھویں صدی عیسوی) کے بعد ذہنی اضمحلال، اور علمی زوال کا شکار ہو چکی تھی، نیا خون اور نئی زندگی عطا کی، تاتاریوں کے فتنۂ عالم آشوب میں اس نے بعض اسلامی علوم کے لئے پناہ گاہ کا کام دیا، اور عہد آخر میں اس کو حدیث نبوی کی خدمت و اشاعت کا سب سے بڑا مرکز بننے کا شرف حاصل رہا۔ جہاں سے اس فن شریف کی شعاعیں دوسرے ملکوں میں پھیلیں اور "درآمد" کی بجائے "برآمد" کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سرزمین میں یکتائے زمانہ اور سرآمد روزگار علماء، ائمۂ فن پیدا ہوئے اور اس موضوع پر بہتر سے بہتر کتابیں یہاں تیار کی گئیں۔

یہاں کے متعدد علمائے حق اور ارباب دعوت و عزیمت نے مختلف زمانوں میں اصلاح و تجدید اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا وہ کارِ عظیم انجام دیا جس کی صدائے بازگشت ہر جگہ سنی گئی اور اس کے

مبارک اثرات دنیائے اسلام کے دور دراز حصوں تک پہنچے، اور لاکھوں انسانوں نے ان کے فیض اثر سے اپنے قلب و روح کی پیاس بجھائی اور دلوں کو روشن کیا۔

تقدیر الٰہی کا فیصلہ تھا کہ اس ملک کو جدید تاریخ کا سب سے بڑا تہذیبی و ثقافتی اور فکری معرکہ پیش آئے اور افکار و اقدار کی سب سے بڑی کش مکش سے اس کو گذرنا پڑے، یہ مغربی تہذیب و فلسفہ اور اسلامی تہذیب و فلسفہ کا معرکہ اور اسلامی طرز فکر اور مغربی طرز فکر کی کش مکش تھی اور در اصل ایک سخت خونریز، بے رحم اور طویل جنگ تھی۔

ملت اسلامی ہند نے جو ۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں ناکامی سے زخم خوردہ اور برطانوی فتح سے دہشت زدہ ہو رہی تھی اپنے کو اچانک ایک ایسی جواں سال، تازہ دم، ابھرتی ہوئی بلکہ زندگی اور جوش و جوانی سے ابلتی ہوئی مغربی تہذیب کے سامنے اس طرح پایا کہ درمیان میں کوئی پردہ یا حجاب نہ تھا۔ یہ انگریزی اقتدار ان مسلمانوں کی طرف سے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی قیادت کی تھی خار کھائے ہوئے تھا، وہ مسلمانوں کو اپنا اصلی و دائمی حریف اور اسلام کو اپنے کیمپ کا متوازی و مقابل کیمپ سمجھتا تھا، دونوں کو اس کا دعویٰ تھا کہ وہ زندگی کی رہنمائی اور معاشرۂ انسانی کی تعمیر و تشکیل کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس معرکہ کی شعلہ سامانیوں اور "تاوان جنگ" میں مسلمانوں کا حصہ ملک کے ہر فرقہ سے زیادہ تھا۔ ان کو صورت حال کی سنگینی، اور دور رس خطرات کا پورا اندازہ تھا۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان اس زبردست سازش اور مغربی تہذیب کے طوفانی یلغار کے سامنے بہت سی ان مسلم قوموں سے کہیں زیادہ ثابت قدم، سخت جان، ناقابل تسخیر اور اپنی اسلامی شخصیت اور معنوی دولت کی حفاظت میں زیادہ کامیاب ثابت ہوئے جن کا انیسویں صدی کے اواخر یا بیسویں صدی کے اوائل میں مغربی اقتدار یا مغربی افکار سے واسطہ پڑا۔

مغربی تہذیب و تعلیم کی اس یلغار کے علاوہ ہندوستانی مسلمانوں کو ایک دوسری یلغار کا بھی مقابلہ کرنا پڑا، یہ عیسائی مشنریوں کی یلغار تھی جو انگریزی اقتدار کے اس ملک میں قدم جماتے ہی زور شور سے شروع ہوئی، اور قریب تھا کہ پورے ملک کو وہ اپنی لپیٹ میں لے لے، یہ عیسائی مشنری، جدید ترین اور موثر ترین اسلحہ سے لیس تھے۔ ان کو حکومت کی حمایت و سرپرستی بھی حاصل تھی، جو اس زرخیز ملک کو حضرت مسیحؑ کا عطیہ اور انعام سمجھ رہی تھی، اور اس اقتدار کو عیسائیت کے فروغ و اشاعت کے لئے ایک زریں موقع تصور کرتی تھی جس کو کسی حالت میں بھی ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہیے تھا۔

ان مشنری سرگرمیوں اور پورے ملک کو عیسائی بنا لینے کے عزم و منصوبہ کے ساتھ تشکیک کی ایک

طاقت و تحریک بھی جاری تھی جس کا مقصد اسلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کو مسلمان نوجوانوں کی نظر میں مشتبہ و مشکوک بنادینا تھا، خواہ اس کا تعلق شریعت و قانون سے ہو، یا مذہب و تمدن اور ثقافت و تاریخ سے، ہندوستان کے علماء نے ان دونوں تحریکوں اور طاقتوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا، انہوں نے معذرت و دفاع کی سیاست کو ترک کر کے، اقدام و حملہ کی سیاست اور بھرپور علمی تنقید کا راستہ اختیار کیا، اس کے نتیجہ میں تبلیغ عیسائیت کی یہ تیز و تند لہریں اور تشکیک کی پوری مہم، پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی اور مسلمانوں کے اندر اسلام پر نیا اعتماد، اپنی تہذیب و ثقافت پر فخر، اور اپنی شخصیت و تاریخ کا احترام پیدا ہوا۔

اس زمانہ میں ذہین مسلم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد نے مغربی تہذیب اور مغربی اقتدار کے مرکز "ولایت" کا رخ کیا، انہوں نے وہاں کی اعلیٰ یونیورسٹیوں اور شہرۂ آفاق کالجوں میں تعلیم حاصل کی، جدید علوم میں کمال پیدا کیا، انگریزی ادبیات میں بصیرت، اور انگریزی تحریر و تقریر میں اہل زبان کی طرح قدرت حاصل کی، جن کی قابلیت، زباں دانی، اور نکتہ شناسی کا انگریز ادباء اور اہل نظر نے بھی اعتراف کیا، لیکن مغربی علم و ادب کے سمندر میں غوطہ لگانے والوں میں خاصی تعداد میں مغربی فلسفے کے باغی اور حریف پیدا ہوئے جن کی مثال کسی دوسرے اسلامی ملک کے نوجوانوں میں نہیں ملتی، وہ مغربی طرزِ فکر کے زبردست ناقد و نکتہ چیں بن کر واپس آئے، یہی حال ان لوگوں کا بھی تھا جنہوں نے ہندوستان میں رہ کر مغربی علم و فلسفہ سے اس حد تک واقفیت پیدا کی تھی جو خود مغرب میں ممکن تھی، انہوں نے پورے اعتماد و اطمینان کے ساتھ مغربی افکار پر تنقید و عمل جراحی کا فرض انجام دیا۔ اور اس کے افسوں کو باطل اور اس کے طلسم کو توڑ کر رکھ دیا، کسی نے سنجیدہ عالمانہ اور فلسفیانہ انداز میں اس کا محاسبہ کیا اور کسی نے طنز و مزاح کے لطیف پیرائے میں اس کا مذاق اڑایا، مغربی تہذیب اور فلسفہ کے رعب کے کم کرنے اور اس کی ہوا خیزی میں دونوں کا حصہ ہے، ان اہل فکر و اہل قلم نے اسلام کو ایک مکمل دین اور ابدی پیغام کی حیثیت سے پیش کرنے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے احساس کمتری کو دور کرنے اور اسلام اور اسلامی تہذیب کی صلاحیت و ابدیت پر اس کا اعتماد بحال کرنے میں بیش قیمت خدمت انجام دی، انہوں نے مغربی تہذیب کی دعوت کے مقابلہ میں ایک مضبوط اسلامی مورچہ قائم کیا، جس کا اصول و شعار مغرب کی امامت و سیادت اور ہر کمزوری اور نقص سے اس کے بالاتر ہونے کا انکار، اسلام پر ایک عالمگیر و زندہ جاوید پیغام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی، رہبر انسانیت اور پیشوائے کل ہونے کا اقرار و اعلان تھا۔ وہ اس یافت و دریافت میں ایسے سرشار اور اس ایمان و یقین میں ایسے مست ہوئے کہ ان کے ہر بُنِ مو سے یہ صدا آنے لگی ؎

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

اس کے بعد ہندوستان کی ملت اسلامی کو ایک نیا تجربہ پیش آیا اور وہ ایک اہم دور میں داخل ہوئی: ایک آزاد ملک کی آزاد زندگی کا تجربہ تھا جس کے آزادی کے اولین علمبردار، اور اس کے لئے بیش از بیش قربانیاں پیش کرنے والے یہی مسلمان تھے، یہ دور غیر ملکی اقتدار سے ملکی و قومی اقتدار کیطرف منتقل کا دور ہے، جس میں نیا دستور مرتب ہوا، اور نئے قوانین وضع کئے گئے، معاشرہ کو ایک نئے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش شروع کی گئی نیا نظام تعلیم نافذ کیا گیا، اس موقع پر کئی بار خالص فرقہ وارانہ رجحانات نے سر اٹھایا۔ اور اسکی آبادی کی ایک کثیر تعداد پر جذباتی اور اعصابی دورے بھی پڑے، مسلمانوں کی حیثیت ان حالات میں ایک ایسی عددی اقلیت اور پسماندہ طبقہ کی تھی جس کو انگریزی اقتدار نے ہمیشہ کمزور و مغلوب اور کارزار حیات سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی، اور اس کا ترکہ اس کے گلے کا ہار بن چکا تھا۔ بہت سے شکوک و شبہات اس کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے، ملک سے باہر پیش آنے والے واقعات بھی اس کی زندگی اور قسمت پر اثر انداز اور ملک کے دوسرے فرقوں کے جذبات میں تلاطم برپا کرتے رہتے تھے اور یہ اقلیت بہت سے ناکردنی بلکہ بیرونی غلطیوں کی جوابدہ سمجھی جاتی تھی، یہ وہ حالات و واقعات ہیں، جنہوں نے اس کو بہت نازک پوزیشن میں کھڑا کر دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس ملک کے مسلمان پوری خودداری و خودشناسی، اپنے دینی شعائر اور دینی و ملی تہذیب و شخصیت کے ساتھ اپنے اس ملک میں رہنے کا عزم مصمم کر چکے ہیں۔ یہ ہندوستانی مسلمانوں کی ذہانت کا بھی امتحان ہے۔ اور وفا کا بھی، ان کے مضبوط اور غیر متزلزل عقیدہ کی بھی آزمائش ہے۔ اور سچی حب الوطنی کی بھی، ان کی طاقتور اور دلآویز شخصیت اور اعلیٰ کردار کی بھی، اور مثبت و تعمیری طرز فکر اور جذبۂ عمل کی بھی۔

یہ ایک ایسی کڑی اور دوہری آزمائش ہے جس کی نظیر قدیم اسلامی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ اس لئے ہمیں اس سے کوئی بڑی مدد اور روشنی حاصل نہیں ہو سکتی۔ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں بھی شاذ و نادر اس عجیب و غریب صورت حال کا ذکر ملے گا۔ کیا اس کی کوئی مثال ہے۔ کہ چھ کروڑ یا اس سے زائد کی اسلامی اقلیت کسی غیر مسلم اکثریت کے درمیان ہو، اور ایسے ملک میں جہاں پارلیمانی نظام قائم ہے، دستور کی حکمرانی ہے۔ جس نے سکولرازم و نامذہبیت کو اپنا شعار بنایا ہے۔؟ اس لئے اب اس کے سامنے آبرومندانہ، باعزت ایجابی و مثبت، زندگی گذارنے کا (جو اسلامی تعلیمات کے مطابق اور حقائق و واقعات کے ساتھ ہم آہنگ ہو) ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ ہے اسلام کی حکیمانہ، لازوال اور عالمگیر اصولوں سے روشنی و رہنمائی حاصل کرنا اعلیٰ درجہ کی فراست و بصیرت، طاقتور و ممتاز ملی شخصیت، عزم صادق و ایمان راسخ، عزت کی مختصر و جفاکش زندگی کی طویل اور خوشحال زندگی پر ترجیح اور ملک کی اخلاقی قیادت، کا وہ منصب عالی حاصل کرنے کی خواہش و کوشش جو عرصہ دراز سے خالی ہے۔ اور کسی مرد خدا اور دانائے راز کا منتظر ہے۔ اس ملک کے اسٹیج پر ایک ایسے مخلص، خدا ترس، اور اخلاقی و

انسانی قائد کی حیثیت سے سامنے آ نا جو ہر قسم کی نفس پرستی سے بلند، ذاتی و جماعتی اغراض سے بالاتر، محب وطن اور انسانی دوست و خدا پرست ہو اور وہ ملک کو انسانیت کی پستی، اخلاقی انتشار، خدا فراموشی، اور دولت و موقع پرستی کے اس عمیق غار میں گرنے سے (امکانی حد تک) بچانے کا عزم کر چکا ہو جس کے کنارے یہ ملک کھڑا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو اس ملت کو عام سطح سے اٹھا کر قیادت و رہنمائی کے منصب بلند تک پہنچا سکتا ہے اور حریف کی بجائے حبیب، مبغوض و محسود کی بجائے مخدوم و محبوب بنا سکتا ہے۔

دوسرا پہلو جس میں یہ ملت ہمیشہ سُرخ رُو، و باعظمت رہی ہے، اور جس کے ذکر سے میرا مقصد محض مدح سرائی اور قصیدہ خوانی نہیں، ایک تاریخی حقیقت کا اظہار ہے، وہ اس کا طاقتور دینی جذبہ، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اسکی والہانہ شیفتگی اور مرکز اسلام سے اس کی وہ عقیدت اور قلبی تعلق ہے۔ جس نے مختلف تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی فتنوں سے اسکی بارہا حفاظت کی، اور اس کو ہندوستان میں آنے والی دوسری قوموں اور نسلوں کیطرح، یہاں کے فلسفوں میں یکسر تحلیل ہونے سے روکا، ہندوستانی مسلمانوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تمام مسائل سے (خاص طور پر بیسویں صدی کی ابتداء سے) ہمیشہ سے گہری دلچسپی لی، خلافت عثمانیہ کی حفاظت و بقا کے لئے اس ملک میں جتنے جوش کا مظاہرہ کیا گیا (جس میں ہندو مسلمان دوش بدوش تھے) وہ اس کا ایک ثبوت ہے، تحریک خلافت جس کا برصغیر میں سیاسی و قومی شعور پیدا کرنے میں بڑا ہاتھ ہے ایک ملک گیر عمومی تحریک تھی، اس کی وسعت و مقبولیت کا اندازہ صرف انہیں لوگوں کو ہو سکتا ہے جنہوں نے وہ دور دیکھا ہے، اسی طرح فلسطین و مسجد اقصیٰ کی بازیابی کیلئے بھی مسلمانان ہند نے اپنے خیالات و جذبات کے اظہار میں کبھی کوتاہی نہیں کی، اسلامی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق دنیا کے دور دراز گوشوں سے ہو یہاں کی ملت اسلامی ہمیشہ سے بہت ذکی الحس واقع ہوئی ہے اور اس کا عمل اس بارے میں "داد و ستد" اور لین دین کے اصول پر نہیں ہے، یہ اس کے دینی جذبات اور مخصوص تربیت کا نتیجہ ہے۔

اس کا یہ جذبۂ اسلامی اور دین سے گہری وابستگی، ان دینی مدارس و مکاتب کی شکل میں بھی نمایاں ہے جن کا سارے ملک میں ایک جال بچھا ہوا ہے۔ اور جس سے کوئی شہر و قریہ مشکل سے بچا ہوگا، مسلمانوں نے علم و دین کے یہ قلعے، انگریزی حکومت کے استحکام اور تعلیمی نظام کے نئے رُخ کو سامنے رکھ کر قائم کئے تھے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچتی ہے، ان میں ایک بڑی تعداد ان مدارس کی ہے جن کو علوم اسلامیہ کی طرف خصوصی توجہ کی بناء پر ہم عام طور پر "عربی مدارس" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان مدارس میں عام طور پر صحاح ستہ کی اوّل سے آخر تک مکمل تعلیم کا انتظام ہے، اور خصوصیت کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم،

جامع ترمذی، اور سنن ابی داؤد کی طرف زیادہ توجہ رہتی ہے۔ اور ان کو حرفاً حرفاً پڑھایا جاتا ہے۔ اس بارے میں شاید ہندوستان کے مدارس عربیہ عالم اسلام میں منفرد ہیں۔ یہ مدارس قریب قریب سب غیر سرکاری ہیں۔ ملت اسلامی ان کی کفیل ہے۔ اس ملک میں مخلص علماء ایثار پیشہ مدرسین اور رضاکار، داعی و مبلغ شروع سے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، جو بڑی قناعت، سادگی اور ایک حد تک قربانی کے ساتھ دین و علم دین کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ زیادہ تر انہیں مدرسوں کا فیض ہے۔ اور ہندوستان میں سارے سیاسی انقلابات کے باوجود اب بھی دین سے جو گہرا لگاؤ پایا جاتا ہے۔ اور علم کی شمع روشن ہے وہ اسی طائفہ کار کی برکت اور ثمرہ ہے۔

جب ہندوستان سے عربی مدارس کا ذکر آگیا ہے۔ تو ہندوستانی علماء و فضلاء مدارس کی اس خصوصیت کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ وہ نہ صرف ہندوستان کی تحریک آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کی صف اول میں تھے بلکہ اکثر اوقات انہوں نے اس تحریک [illegible] جدوجہد کی قیادت کی اور زیادہ غور سے دیکھا جائے، اور اور انصاف سے کام لیا جائے تو اول اول یہ خیال انہیں نے دیا، اور اس جذبہ میں جو حرارت، طاقت اور عمومیت پیدا ہوئی وہ انہیں کی رہین منت تھی، ان میں سے متعدد اصحاب نے انگریزی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والوں کی عملی قیادت کی، انگریزی فوجوں سے دو بدو جنگ کی اور متعدد حضرات جزائر انڈمان و نکوبار اور جزیرہ مالٹا میں قید و نظر بند کئے گئے۔ اور کئی کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی، متعدد حضرات ایسے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا خاصا حصہ ہندوستان کی جیلوں میں گذارا، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ علماء اور دینی شخصیتوں کی تاریخ کے ساتھ اس طرح گھل مل گئی ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں رہا۔

ان کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند کی زبان و ادب کی خدمت و ترقی میں قائدانہ حصہ لیا اور ۱۸۵۷ء کے بعد اس تحریک کی سربراہی اور رہنمائی کی، اردو کا قصر ادب جن مضبوط اور بلند ستونوں پر قائم ہے، ان میں سے بیشتر طبقہ علماء سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے اردو کو نیا رنگ و آہنگ، نئے اسلوب اور وہ سنجیدگی اور پختگی عطا کی جو اس وقت تک اردو کا سرمایۂ فخر ہے، ان میں سے ایک ایک مستقل دبستان ادب کا بانی ہے، جس کی اس وقت تک پیروی کی جا رہی ہے۔ اردو شعراء کے مستند تذکرے اور اردو زبان کے ظہور و ارتقاء کی تاریخ [illegible] انہیں کی تصنیفات اس وقت تک اس موضوع میں ابتدائی ماخذ اور سند کا درجہ رکھتی ہیں اور ابھی تک ان [illegible] سے کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں علوم مذہبی اور ملک کی زبان و ادب کے درمیان وہ خلیج کبھی نہیں رہی اور دونوں کے نمائندوں کے درمیان

وہ بے گانگی اور اجنبیت بھی کبھی پیدا نہیں ہوئی جو بعض دوسرے اسلامی ملکوں میں پائی جاتی ہے۔ اور جس کا نقصان دونوں طبقوں کو کم و بیش برداشت کرنا پڑا۔

اگر اجازت دی جائے تو میں بڑے ادب کے ساتھ ایک بات اور عرض کروں گا، وہ یہ کہ ہندوستانی مسلمان خدا کے فضل سے بڑی حد تک اسلام کے معاملہ میں خود کفیل ہیں، وہ اسلام کے اوّلین و حقیقی سرچشموں کتاب و سنّت، اور اسلام کے اوّلین علمبرداروں کی سیرت و کردار، ان کی قربانی، و ایثار، اور ان کی اولوالعزمی و حوصلہ مندی کی جلائی ہوئی شمع سے روشنی حاصل کرتے ہیں، انہوں نے اپنا عقیدہ و ایمان، اپنا حال و مآل اسلام کے چمکتے ہوئے سورج کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ مسلم اقوام یا عرب ممالک کے ابھرتے ڈوبتے ستاروں یا ٹمٹماتے چراغوں سے نہیں، وہ آنکھ بند کر کے ان میں سے کسی کی انگلی پکڑ کر چلنے والے نہیں ہیں، نہ انہوں نے ان میں سے کسی کی اسلام کے ساتھ وفاشعاری کو اپنی وفاشعاری کی شرط قرار دی ہے۔ انہوں نے اللہ کے بھروسہ پر یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ ان کو اسلام اور اسلامی تعلیمات کو اپنے سینہ سے لگائے رکھنا ہے۔ خواہ دنیا کی کوئی قوم (عرب ہو یا عجم) اس سے بے تعلقی یا روگردانی اختیار کرے، اگر عرب یا دوسرے ممالک کے مسلمان اپنی پرانی تہذیبوں اور قدیم فلسفوں کے سحر میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور ان کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ تو ہم انشاءاللہ وحدتِ اسلامی اور شریعتِ اسلامی کا دم بھرتے رہیں گے۔ ہم اسلامی اصولوں اور اسلام کے مسلکِ زندگی کے معاملہ میں کسی قسم کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس ملک میں اور اس ملک کے باہر اپنی اس اصول پسندی اور وفاشعاری کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، ہمیں بہت سے ان منافع و مواقع سے آنکھیں بند کرنی پڑیں گی جو ہوا کے رخ پر چلنے والی طاقتوں اور فرقوں کو حاصل ہوتے ہیں، لیکن ہمارا یقین ہے کہ ہمارا خدا اگر ہم سے راضی ہے اور ہم خلوص و فہم کے ساتھ اپنے اصولوں پر قائم ہیں تو ہمارے لئے کوئی تنگی اور ہماری قسمت میں محرومی نہیں لکھی ہے۔ اس لئے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ ساری کائنات ارادۂ الٰہی کے تابع ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہمارا مسلک اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ؎

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے ۔۔۔ نگاہِ یار سلامت! ہزار میخانے

حضرات! ان سب وجوہ کی بنا پر شاید اس سرزمین کو بہت سے دوسرے اسلامی ملکوں سے اس کا زیادہ حق ہے کہ اس کو ایسے مایۂ ناز اور منتخب روزگار علماء، اربابِ فکر و نظر، ماہرینِ تعلیم اور اساتذہ و معلّمین کی میزبانی کا شرف حاصل ہو، اور وہ خود یہاں تشریف لا کر اپنی آنکھوں سے ان کوششوں کے نتائج کو دیکھ سکیں، جو ایک بے سروسامان اور بے نوا ملّت نے اپنے دین کی خدمت اور علوم اسلامیہ کی ترقی و اشاعت کے سلسلہ میں کی ہیں۔ اور یہ دیکھیں کہ ابھی اس کو کتنی طویل مسافت طے کرنی ہے، اور وہ اس سفر میں

اس کی کیا رہنمائی کر سکتے ہیں۔؟

دوسری حیثیت سے میں آپ کا خیر مقدم لکھنؤ کے اس تاریخی شہر میں کر رہا ہوں جو اپنی مردم خیزی، علم پروری، علماء نوازی میں دہلی کا ہمسر اور اس کا ہم ردیف رہا ہے۔ یہ دہلی کے بعد ہندوستانی تہذیب و تمدن ادب و شائستگی اور اردو زبان و شاعری کا گہوارہ تھا، اور یہی ہندوستان کی قدیم تعلیمی تحریک کا مرکز تھا، یہاں وہ سر آمد روزگار علماء پیدا ہوئے جن کے علم کے چشمے ایک طرف مشرق کے آخری حدود تک، دوسری طرف جنوب کے کناروں تک بہے اور ایک عالم نے ان سے اپنی علمی پیاس بجھائی، قدیم نصاب درس (درس نظامی) یہیں ترتیب و تکمیل کے آخری مراحل کو پہنچا، جس کا سکہ ایک زمانہ میں برصغیر ہند سے لیکر افغانستان و ترکستان تک چلتا رہا ہے، اس شہر کو آخری دور میں قرآن مجید کی خدمت اس کے حفظ و تجوید اور اشاعت و تبلیغ کا وہ شرف بھی حاصل ہوا جس میں کم نامی گرامی اسلامی شہر اس سے سبقت لے جانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

حضرات! تیسری حیثیت سے اس اہم تعلیمی مرکز میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں جہاں اسلامی فکر و شعور بحث و نظر اور علمی بصیرت اور دور بینی کی تاریخ کا ایک دلآویز و درخشاں باب تحریر کیا گیا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اس تلخ و ترش حقیقت کا احساس پہلی بار مجسم اور ٹھوس شکل میں سامنے آیا کہ چودھویں صدی ہجری کے آغاز اور انیسویں[۱۹] صدی کے اواخر میں عالم اسلام تفرقہ و انتشار، پریشان خیالی، اور فکری اضمحلال کی کس آخری منزل میں تھا، نئے تغیرات اور نئے حوادث کا سامنا کرنے اور نئے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت علمائے دین میں (جو ملت کے حقیقی قائد تھے) اور اس طریقۂ تعلیم سے جو ان کو پیدا کرنے کا واحد ذریعہ تھا کس تیزی سے مفقود ہوتی جا رہی تھی، مسلم معاشرہ دو متوازی طبقوں کے درمیان منقسم ہو گیا تھا، ایک طرف علمائے دین تھے، جو عربی مدارس سے قدیم طرز پر پڑھ کر نکلے تھے، دوسری طرف مغربی تعلیم یافتہ حضرات جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پروردہ تھے۔ ان دونوں کے درمیان اجنبیت اور بیگانگی کی خلیج تھی اور یہ خلیج دن بدن بڑھتی جا رہی تھی، اندیشہ تھا کہ وہ اس حد تک پہنچ جائے کہ کسی ملانے والے کے بغیر ان کی ملاقات اور کسی ترجمان کے بغیر افہام و تفہیم ممکن نہ ہو۔

معاملہ انہیں دو طبقوں میں منحصر نہ تھا، ملت کے مختلف مذہبی فرقے اور فقہی مسلک ایک دوسرے کو تحقیر یا خوف و نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے، مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم تھا، اور وہ کبھی کبھی سخت جارحانہ شکل اختیار کر لیتے تھے معاملہ صرف اثبات و تردید تک محدود نہ تھا، بلکہ تفسیق و تکفیر تک کی گرم بازاری تھی، جہاں تک نصاب درس کا تعلق ہے اس میں کسی کمی یا زیادتی کی گنجائش نہیں سمجھی جاتی

بھی علمی حلقوں پر بالعموم ذہنی عزلت اور گوشہ نشینی کی فضا طاری تھی اور جدید دنیا کے علوم و افکار اور علمی تحقیقات کے لئے کوئی روزن کھلا نہیں رہ گیا تھا، تیز رو اور تغیر پذیر زندگی سے صرف، اسی وقت واسطہ پڑتا تھا، جب علماء سیاست کے راستہ پر گامزن ہوتے، مسلم معاشرہ کی پاسبانی و نگرانی مغربی علوم کے حملوں اور اس کے تشکیکی اثرات سے مسلمان نوجوانوں کی حفاظت سے علماء کنارہ کش ہوتے جا رہے تھے۔ اور تعلیم یافتہ طبقہ مغرب کے حاشیہ برداروں اور فکری و تہذیبی شکست کے نقیبوں کے رحم و کرم پر تھا۔

اس نازک بحرانی دور میں (۱۳۱۱ھ - ۱۸۹۴ء) کچھ منتخب اہلِ نظر و اہلِ درد جن کو فراست ایمانی اور دردِ اسلامی کا حصۂ وافر ملا تھا سر جوڑ کر ایک جگہ بیٹھے اور انہوں نے اس کا ایک حل تجویز کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب اہلِ نظر اہلِ دل کے ساتھ علماء دین جدید تعلیم یافتہ حضرات کے ساتھ مذہب حنفی کے علمبردار علمائے اہلِ حدیث کے ساتھ زاہد و گوشہ نشین، امراء و رؤساء اور ماہرین تعلیم کے ساتھ شانہ بشانہ اور صف بصف نظر آئے، ان لوگوں نے اس مقصد کے لئے ایک انجمن قائم کی اور اس کا نام "ندوۃ العلماء" تجویز کیا اس لئے کہ یہ انجمن دراصل جماعت علماء ہی کے غور و فکر اور انہیں کی دعوت پر قائم ہوئی تھی اور وہی اس کے روح رواں تھے، اس انجمن نے جن بنیادوں پر اپنے سفر کا آغاز کیا وہ تھیں مسلمانوں کا باہمی اتحادِ اسلامی نشات ثانیہ کے لئے مختلف اجتماعی، اصلاحی و تعلیمی کوششوں میں ہم آہنگی، اعلیٰ سیرت و کردار کی تشکیل رسوم قبیحہ کا استیصال، مسلمانوں کے مختلف امور و مسائل کے حل کے لئے مختلف مسلک و مشرب کے صحیح العقیدہ (اہل سنت والجماعت) علماء کے ایک مشترک پلیٹ فارم کی تشکیل، اسلامی اصولوں اور شریعت اسلامی کے مقاصد کو سامنے رکھ کر علوم دینیہ کے نصاب میں ایسی تبدیلیاں جو عصرِ حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کر سکیں علماء کی دینی سطح کو بلند اور ان کے فکر و معلومات کے افق کو وسیع کرنا اور ایسے علماء تیار کرنا جو قدیم و جدید دونوں طبقوں کے اعتماد کے اہل اور احترام کے مستحق اور مسلمانوں کے دینی، فکری، علمی قیادت کے اس منصب پر فائز ہو سکیں جو عرصہ سے خالی چلا آ رہا ہے۔

انہوں نے قرآن مجید کے متن و تفسیر کے طریقۂ تعلیم کیطرف خصوصی توجہ دی، علوم آلیہ اور علوم عالیہ اور وسائل و مقاصد میں تفریق کی، متقدمین میں جو اصحاب دین و علم کا مذاق صحیح اور ملکۂ راسخہ رکھتے تھے ان کی تصنیفات کو اصولاً متاخرین کی تصنیفات پر مقدم رکھا گیا محض "کتاب خوانی" کی بجائے "علم آموزی" کیطرف توجہ کی گئی نصاب میں عربی زبان کو اس کے شایان شان اور معزز جگہ دی گئی، اس لئے کہ وہ عرصۂ دراز سے غفلت کا شکار تھی، اور عہد آخر میں وہ اپنے زوال کے آخری نقطہ پر پہنچ چکی تھی اور نصاب درس اور علمی و تعلیمی سرگرمیوں میں اسکی حیثیت ایک حاشیئے سے زیادہ نہ تھی یہاں ایک ایسی زندہ اور ترقی یافتہ زبان کی حیثیت سے اسکی تعلیم کا انتظام کیا گیا جو زندگی اور قوت سے بھرپور ہے۔ زمانہ کی تمام ضرورتیں پوری کر سکتی ہے۔ اور اس سے دعوت اور اپنے

افکار و خیالات کی اشاعت کا بڑا کام لیا جا سکتا ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ یہاں کے طلبہ اور منتظار اس کے ذریعہ قرآن مجید کے جمال حسی و معنوی اور اس کے اعجاز و بلاغت سے ذوق حاصل کر سکیں، حدیث نبوی کی فصاحت و شیرینی سے لطف اندوز ہوں اور وہ اہل عرب کو ان ہی کی زبان اور ان ہی کے اسلوب میں خطاب کر سکیں اور اس کے ذریعہ عصر حاضر کے فتنوں اور گمراہ کن تحریکوں اور دعوتوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکیں یہ اس زمانہ میں جب مواصلات اور رسل و رسائل کا یہ سلسلہ موجود نہ تھا، اور بیرونی سفروں کا سلسلہ اس طرح شروع نہ ہوا تھا، ایک انکی اور اپنے زمانہ سے آگے کی بات تھی اب جبکہ ممالک عربیہ و اسلامیہ آزاد ہو چکے ہیں۔ اور بین الاقوامی سطح پر اجتماعات وفود کی آمد و رفت اور مذاکرہ و تبادلہ خیال ایک عام بات بن چکی ہے۔ ہمارے لئے اس فیصلہ کی اہمیت اور ندوۃ العلماء کے بانیوں کی عربی زبان سے خصوصی اور غیر معمولی دلچسپی کا راز سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔؟

انہوں نے اس کے ساتھ بعض مفید اور جدید علوم کو بھی جن سے ایک عالم دین کو ناواقف نہ رہنا چاہیئے، اپنے نصاب میں شامل کیا اور مروجہ سرکاری زبان کی تعلیم کا بھی انتظام کیا، ان مقاصد اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ان حضرات نے تجربہ و نمونہ کے طور پر لکھنؤ میں ایک دار العلوم قائم کیا اور اس کا نام دار العلوم ندوۃ العلماء تجویز کیا جو اپنی شہرت و مقبولیت اور زبان زد ہونے کی وجہ سے ندوہ ہی کے نام سے موسوم و معروف ہے۔ ورنہ یہ دراصل اس انجمن کا نام ہے جو اس مدرسہ کی نگراں و سرپرست ہے، اس انجمن کی تاریخ اور اس کی مرحلہ وار داستان اور اس دار العلوم کی کہانی جس کے وسیع و خوشنما سبزہ زار میں ہم اور آپ آج جمع ہیں اور اسکی عہد بہ عہد ترقیاں آپ ان رسائل اور کتابچوں میں پڑھیں گے (جو آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں) اور آئندہ مقالہ میں سنیں گے۔ اس مرکز علم و دین یا اس انجمن کے قائم کردہ دار العلوم کی کشادہ فضاؤں میں جو ایک مرکز تعلیم سے زیادہ ایک وسیع اور جامع مدرسۂ فکر اور فکری و اصلاحی تحریک ہے، ہم سب آپ کا انتہائی گرمجوشی سے استقبال کرتے ہیں۔ اور اس تاریخ ساز اجتماع اور مبارک و منتخب محفل میں جس کے واقعات اور داستانیں شاید آنے والے زمانہ میں شکر و اعتراف کے لہجہ میں سنائی جائیں اور ایک مقدس امانت اور قیمتی اثاثہ کیطرح ہماری نئی نسل کیطرف منتقل کی جائیں اور جس اجتماع میں اللہ کے فضل سے عالم اسلام نے اتنی فیاضی سے اپنے جگر کے ٹکڑے اور آنکھ کے تارے ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں کہ اسکی مثال ہمیں اس ملک کے ماضی قریب کی تاریخ میں نہیں ملتی ہم دوبارہ اپنے معزز مہمانوں کی خدمت میں اسلام اور علم کا مشترکہ سلام پیش کرتے ہیں ـــ یہ ملت اور یہ سرزمین پہلے بھی احسان فراموش نہ تھی اس نے پہلے بھی اپنے عزیز و معزز مہمانوں کی آمد پر شکر و فخر کیا ہے اور آج جبکہ اتنی کثیر التعداد اور یگانہ شخصیتوں نے اس کو اپنے قدوم سے رونق و عزت بخشی ہے اس کا سر فخر سے اونچا اور اس کی زبان شکر و مسرت کے ملے جلے جذبات کیساتھ اس طرح زمزمہ سنج ہوتی ہے ؎

من آں خاکم کہ ابر نو بہاری	ز لطفش کرد بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم	چو سوسن شکر نعمت کے توانم

غیر مطبوعہ خطوط

تبرکات و نوادر

مکتوباتِ رشد و ہدایت

مرشد الراشد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

بنام

مولانا حبیب اللہ فاروقی محلہ ٹینکا پورہ سیالکوٹ

مدیر الحق کی اپیل پر بعض احباب نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے غیر مطبوعہ خطوط ارسال فرمائے زیر ترتیب مجموعہ تبرکات شیخ الاسلام میں شامل کرنے کے علاوہ ہم انہیں زینتِ الحق بھی بنانا چاہتے ہیں۔ "ادارہ"

محترم المقام زید مجدکم [1]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مزاج شریف۔ والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ شرا عداء سے تنگ ہونا چاہیئے۔ اور اگر بہت زیادہ فکر ہے۔ تو روزانہ بعد از عشاء ایک سو ایک مرتبہ اللھم انی اجعلک فی نحورھم واعوذ بک من شرورھم ۔ پڑھا کریں اور پڑھتے وقت انکی صورتوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے تصور کرتے ہوئے پیش کریں۔ اور صبح کو دو سو مرتبہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر ۔ پڑھا کریں۔ میں دعا کرتا ہوں آپ بھی دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام۔

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ والا نامہ محررہ ۲ر شوال باعث سرفرازی ہوا۔ انتہائی مصروفیتوں کی وجہ سے ارسال جواب میں تاخیر ہوئی ۔ معاف فرمائیں۔ آپ کے مخالفین کا کامیاب ہو جانا باعثِ افسوس وقلق

---

[1] راقم الحروف نے دورۂ حدیث سے شعبان ۱۳۵۳ھ میں فراغت پائی اور ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ بعد نماز مغرب حضرت قدس سرہ العزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئی جسکے برکات اسی وقت ظہور پذیر ہونے لگے، حالات و واردات لکھ کر حضرت اقدس سے ہدایات حاصل کرتا رہا، لیکن بعض اوقات جواب آنے میں

ہے۔ مگر شاید اسی میں کوئی خیر ہو۔ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا۔ الآیۃ۔ صبر اور شکر لوازم عبودیت میں سے ہے۔ میرے نزدیک تو دوسرے مقامات سے جو حضرات آپکو بلا رہے ہیں وہاں جانا اور علمی خدمات انجام دینا بہتر ہے۔ یہ خیال کہ کہیں وہاں بھی اسی قسم کی صورتیں پیش آئیں اور پھر جدا ہونا پڑے خیال خام ہے جسطرح یہ احتمال ہے اس کے عکس کا بھی تو احتمال ہے۔ پھر خود دنیا ہی دار استقلال و دوام نہیں ہے۔ جہاں سے بھی علمی مشاغل کی دعوت آئے قبول کر لینا چاہیئے۔ اگر متعدد جگہیں ہوں تو ان میں استخارہ کر کے ترجیح دیجئے۔ بیکاری اور تحصیل طب اور طبابت ان تینوں سے تبلیغی اور تعلیمی مشاغل راجح بلکہ ضروری ہیں۔ ممکن ہے کہ طبابت میں دنیاوی منافع زائد ہو جائیں مگر ہم کو انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے معاشیات کو دیکھنا اور اسکا اتباع کرنا ازبس ضروری اور انفع ہے۔

کیمیائے سعادت زہد عن الدنیا اور رغبت الی الآخرہ کیلئے نہایت مفید کتاب ہے۔ مگر وہ اپنے زمانہ اور اپنے ملک کیلئے کارآمد ہے۔ اس باب میں قویٰ اور آب وہوا وغیرہ کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ ہمارے زمانہ اور ہمارے ملک کے قویٰ ان ریاضتوں کو برداشت نہیں کر سکتے اور بسا اوقات ان ریاضتوں سے اس قدر مضمحل ہو جاتے ہیں کہ بالکل ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو صراط مستقیم یعنی ملفوظات حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ مصنفہ حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ فرمایا کیجئے۔ یا اور فرصت ہو تو مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دیکھا کیجئے۔ نیز القول الجمیل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر تصانیف حضرت شاہ صاحب مطالعہ کیا کریں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بہت زیادہ مفید ہیں۔ مبتدی کیلئے کتابوں کا (تصوف کی) دیکھنا مناسب نہیں ہے۔ زیادہ تر ضرورت ذکر میں اشتغال کی ہے۔ تاکہ جلد ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے اور ذکر غلبہ حاصل کر کے طبیعت ثانیہ بن جائے۔ ذکر جلی اور پاس انفاس اور شجرہ کا ضروری ہیں اگر فرصت زیادہ ہے۔ تو ذکر جلی یعنی دوازدہ تسبیح صبح وشام دو وقت کر دیجئے اور پاس انفاس کی مشق اس قدر ضروری ہے کہ خواہ خیال

بہت زیادہ دیر ہو جاتی جس سے بے چینی بڑھتی۔ آخر حضرت الاستاذ مرحوم مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ کو لکھا انہوں نے بکمال شفقت تحریر فرمایا۔ کہ خط مجھے بھیج دیا کرو۔ میں جواب لکھوا کر بھجوا دیا کروں گا۔ مسرت حاصل ہوئی۔ ایک روز غالباً بوقت سحری رویا میں دیکھتا ہوں، کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی تسبیح ایک باریک لمبے سانپ کی صورت اختیار کر گئی۔ میں نے ہاتھ جھٹک کر اسے نیچے پھینک دیا اور پاس ہی ایک لوٹی سی لے کے قریباً ایک فٹ لمبی سلاخ دیکھی، وہ پکڑ کر فوراً اس سانپ کے سر پہ وسے مارے جس سے وہ ہلاک ہو گیا اور مر جھا کر

یا نہ ہو ہر وقت سانس ذکر کے ساتھ جاری ہونے لگے۔ جب تک یہ حالت نہ ہو گی ذکر کی پختگی نہ ہو گی۔ دونوں ورد دفع اعداء کے اب ضروری نہیں ہیں۔ اگر کوئی جگہ تعلیمی ہو تو خود طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام۔ ۹ ر ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ۔

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ والا نامہ بذریعہ مولانا اعزاز علی صاحب۔ باعث سرفرازی ہوا۔ یادآوری کا شکرگذار ہوں۔ میں اس قدر عدیم الفرصت ہوں کہ جواب لکھنا تو درکنار خطوط کے گٹھے کے گٹھے پڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ کیا کروں ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ ثمر نہ سایہ دارم — با در حیرتم کہ دھقان بچہ کار کشت مارا

جناب کا یہ خواب نہایت مبارک خواب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو راست لائے۔ آپ کی مداومت ذکر تیرہ تسبیح

باریک دھاگا سا بن گیا اور پھر فنا ہو گیا۔ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے جوابی مکتوب محررہ ۱۹ر صفر ۱۳۵۸ھ میں اس خواب کو مبارک خواب تحریر فرمایا ہے اور اس کے راست ہونے کی دعا فرمائی ہے۔ اور آئندہ کے لئے ہدایات فرما کر دلجمعی فرمائی ہے ـــــ اس کے بعد ریاست بہاولنگر کے ایک مشہور مدرسہ میں اپنے ایک دیوبندی رفیق کے اہتمام میں صدر مدرس کی حیثیت سے تعلیمی و تدریسی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہا تھا، مدرسہ کی ترقی اور تبلیغی کامیابی کی وجہ سے مہتمم صاحب کی رقیب پارٹی میرے درپے آزار ہو گئی، ایک دفعہ رات کے وقت قاتلانہ حملہ بھی ہوا، لیکن بفضلہ تعالیٰ میں بال بال بچ گیا۔ لیکن طبیعت وہاں سے اچاٹ ہونے لگی۔ حضرت والا قدس سرہ العزیز کو لکھا مکتوب ۱۳ محررہ ۱۷ر رمضان ۱۳۵۸ھ میں صبر کی تلقین کیساتھ دفع شر اعداء کیلئے وظیفہ تحریر فرمایا۔ جسے میں وہاں پڑھتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کی برکات اور حضرت قدس سرہ العزیز کی دعا سے شر اعداء سے محفوظ فرمایا۔ لیکن میں وہاں سے دل برداشتہ ہو کر مہتمم صاحب سے رخصت لیکر گھر چلا آیا۔ اور پھر واپس نہ گیا۔ البتہ مہتمم صاحب سے تعلقات استوار رہے۔ اور ان کو ملاقات اور جلسوں کیلئے اپنے ہاں بلاتا رہا۔ اپنے گھر ساہو والہ ضلع سیالکوٹ میں ایک انجمن اور مدرسہ کی بنیاد رکھی لیکن معاشی فکر مندی کی وجہ اپنے بزرگ بھائیوں اور بعض دوستوں نے مطب کھولنے کا مشورہ دیا۔ حضرت قدس سرہ کو اپنے گھر آجانے اور طبی کاروبار کرنے کے متعلق ہدایات حاصل کرنے کو لکھا۔ گھر آکر میں اکثر میاں سعادت کا مطالعہ بھی کرتا رہتا، تاکہ دلی اطمینان حاصل ہو لیکن بجائے اطمینان اسکے مطالعہ سے اپنی کم ہمتی کا یقین بڑھنے لگا۔ اور یاس پیدا ہونے لگی۔ اس کے متعلق بھی حضرت قدس سرہٗ کو لکھا، ان سب باتوں کا جواب مکتوب ۱۳ محررہ ۹ر ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ میں جس ہمدردی شفقت و محبت سے تحریر فرمایا میری ساری بے اطمینانی ختم ہو گئی اور یاس آس سے بدل گئی۔ بحمد اللہ اس وقت سے اب تک۔ انہیں نصائح و ہدایات پر کاربند ہوں اور مطمئن ہوں۔ (حبیب اللہ فاروقی۔ سیالکوٹ)

یہ نہ صرف اطمینان بخش بلکہ امید افزا ہے۔ پوری مداومت اور جد وجہد سے اس پر قائم رہئے۔ اور کوشش کیجئے کہ دل لگاکر اسکو انجام دیا جائے۔ اسباق کی مداومت کیساتھ پاس انفاس کی مشق کیلئے مغرب کے بعد یا عشاء کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت دیجئے اس وقت میں وضو اور استقبال قبلہ اور حتی الوسع تنہائی اور دل لگنا چاہئے مگر اس کے بعد چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے وضو ہو یا نہ ہو اسکا خیال رہے۔ تا آنکہ ہر وقت خیال ہو یا نہ ہو بصورت استغراق یہ جاری ہو جائے ——..

پاس انفاس میں اس کا ضرور خیال رہے کہ زبان اور ہونٹ میں کوئی حرکت نہ ہو فقط سانس کے ساتھ یہ ذکر ہوا کرے۔ سانس بھی حسب عادت رہے، نہ اس میں تیزی ہو نہ آواز۔ داخل ہونے والا سانس لفظ اللہ پیدا کرے اور خارج ہونے والا سانس لفظ ھو پیدا کرے۔ شجرہ کا پڑھنا بھی امید افزا ہے ؎

ہر نفس بہرت مسیحائیت جست — گر نداری پاس او از جہل تست
ایں چنیں انفاس خوش ضائع مکن — غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

میں دعا کرتا ہوں، ہمت بلند رکھئے اور جد وجہد اسباب میں جسقدر بھی ممکن ہو غنیمت سمجھئے۔ ع
من نہ کردم شما حذر نکنید

اس روسیاہ کو بھی دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے۔ والسلام۔ ۱۹ رصفر ۱۳۷۵ھ

جناب مضطر عباسی ۔ (مری)

جدید زبانوں سے عربی ماخذ

گذشتہ سے پیوستہ

دار | دار عربی لفظ ہے ۔ دار القرآن ۔ دار الحدیث ۔ دار الحکومت وغیرہ قسم کے مرکبات سے کون واقف نہیں ۔ ؟ عربی میں دار کے معنی ہیں ۔ گھر، احاطہ، بستی ۔ اس کا ماخذ ہے .... دور .... جس کے معنیٰ ہیں کسی کے گرد گھومنا ۔ گھر کو دار کہتے ہیں اس لئے کہ اس کی دیواروں نے اہل خانہ کو گھیرا ہوا ہوتا ہے ۔ حوادثات کو دار یا دور کی نسبت ہے ۔ دائرہ کہا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ زمانے کے حوادثات انسان کو گھیر لیتے ہیں ۔ ادوُر ۔ اُدُر ۔ دیار ۔ دیارۃ ۔ دیارات ۔ دیران ۔ دوران ۔ دورات ۔ ادوار ۔ اور اُدوِرَۃ وغیرہ ۔ دار کی جمع کی مختلف صورتیں ہیں ۔ دار کے معنیٰ دفتر کے ہیں ۔ مدیر دفتر کا ناظم اور نگران ہے ۔

بعض اوقات کل جز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس قاعدے کے مطابق فارسی والوں نے دار (گھر) کے جز (باب) کے لئے ۔ در ۔ کا لفظ اپنایا ہے ۔ اور پھر در سے دربان ۔ دروازہ اور اندر یا اندرون قسم کے کلمات، وضع کرتے ہیں ۔ اہل یورپ نے انگریزی میں DOOR (دروازہ) جرمن میں TUR اور THUR روسی میں DVER ، اینگلوسیکسن میں DUR اور DOR اور DURU آئس لینڈ کی زبان میں DYR ائرلینڈ کی زبان میں DORUS گاتھک DAUR یونانی میں THURA اور سنسکرت میں DVARKA وغیرہ قسم کے بیشمار کلمات عربی کے دار اور دور سے مستعار لئے ہیں ۔ عربی لغت کی جدید کتابوں میں " دربان " کا لفظ آیا ہے ، جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ لفظ عربوں نے فارسی سے لیا ہے ۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو ، لیکن فارسی والوں نے عربوں کو دربان کا لفظ دیا ہے تو یہ عربی کے دار ہی کے آخر لاحقہ لگا کر اصل چیز مالک کو واپس کی گئی ہے ۔

انگریزی لغت کی کتابوں میں DOOR کے معنیٰ لکھے ہیں ۔ DOOR WAY اور یہی " ڈور وے " ہمارے ہاں دروازہ " ہے ۔ انگریزوں نے DOOR (در) کی تشریح میں DOOR WAY کی ترکیب استعمال

کر کے اپنی چوری ظاہر کر دی ہے۔ اس لئے کہ "دروازے کا راستہ" مفہوم کے اعتبار سے غلط اور بے مقصد ترکیب ہے، حقیقت یہ ہے کہ DOOR WAY کے معنی ہیں گھر کا راستہ (یعنی دروازہ) اور اس طرح DOOR کے معنی در کے نہیں بلکہ دار یعنی گھر کے ہیں۔

دُرّ | دار کی بحث سے عربی کا ایک اور لفظ یاد آ گیا ہے۔ عربی میں دُرّ کے معنی ہیں چمک، روشنی، خوبصورتی۔ کوکبٌ دُرّیٌ کے معنی ہیں، بہت چمکنے والا۔ موتی اپنی چمک کے باعث دُرّ کہلاتا ہے۔ یا موتی کی نسبت سے چمکدار چیز کو دری کہا جاتا ہے۔ جو بھی صورت ہو نتیجہ ایک ہی ہے۔ یعنی دُرّ کے معنی چمک، روشنی اور حسن، کے ہیں۔ موتی کا حسن اور چمک ہر کسی کو محبوب ہے اور اہل یورپ نے محبوب کے لئے انگریزی میں DEAR کا لفظ عربی کے دُرّ سے لیا ہے۔ جو اینگلو سیکسن میں DEORE اور DYRE ہے۔ قدیم ڈچ زبان میں DIER اور جدید ڈچ میں DUUR ہے۔ آئس لینڈ والوں کے ہاں یہی لفظ یعنی عربی کا دُر اور انگریزی کا DEAR (محبوب) DYRR ڈنمارک اور سویڈن والوں کی زبانوں میں DYR جرمن میں THEUER ہے۔

موتی اپنی چمک خوبصورتی اور محبوبیت کے باعث گراں بہا بھی ہے۔ اور اس نسبت سے اہل یورپ نے گراں بہا کا مفہوم بھی اسی DEAR اور DYRR وغیرہ سے حاصل کیا ہے۔

ہرن | اس موقع پر قارئین کا ذہن انگریزی کے لفظ DEER (ہرن) کی طرف ضرور منعطف ہو رہا ہو گا۔ سو عرض ہے کہ انگریزی کا DEER (ہرن) اینگلو سیکسن میں DEOR گاتھک میں DIUS ڈچ میں DIER ڈنمارک کی زبان ڈینش میں DYR آئس لینڈ کی زبان میں DYR سویڈش میں DIUR اور جرمن میں THIER ہے۔ اہل یورپ کے ہاں ان تمام کلمات کا بنیادی مفہوم ہے۔ جنگلی جانور، درندہ، تیز دوڑنے والا جانور وغیرہ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسی DEER یعنی جنگلی جانور یا درندہ سے فارسی کا مصدر دریدن ماخوذ نہ سمجھیں اور پھر درندہ۔ درندگی وغیرہ قسم کے الفاظ اس سے مشتق ماننے میں شک کریں۔ ان سب کلمات کا عربی میں ماخذ دَرَّ کا لفظ ہے جس سے دُرَیْرٌ بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں تیز دوڑنے والا جانور۔ دریر الفرس کے معنی ہیں تیز رفتار گھوڑا۔

حاصل کلام یہ کہ: انگریزی کا DEAR بمعنی محبوب پیارا اور گراں بہا۔ اور اس کے مترادفات جرمن وغیرہ زبانوں کے کلمات کا ماخذ عربی میں دُرّ ہے۔ اور DEER بمعنی ہرن یا جنگلی جانور اور اس کے یورپ کی دوسری زبانوں میں مترادفات کا عربی ماخذ دَرّ ہے۔ جس سے دریر ماخوذ اور مشتق ہے۔

قال | قال، قول، مقولہ وغیرہ عربی کلمات ہماری بات چیت میں یوں استعمال ہوتے ہیں۔

کہ گویا ہماری ہی زبان کے کلمے ہیں۔ یہ لفظ عبرانی میں قول اور قالا ہے۔ قول کے معنیٰ ہیں۔ آواز اور قالا کے معنیٰ ہیں۔ پکارنا چلانا۔ مدد کے لئے بلانا وغیرہ اہل یورپ کا خیال ہے کہ انہوں نے عبرانی کے اس لفظ۔ قول سے بہت سے کلمات لئے ہیں۔ مثلاً انگریزی کا CALL (بلانا) اینگلو سا کسن کا CEALLIAN آئس لینڈ کی زبان کا KALLA سویڈن کی زبان کا KALLA ڈینیش کا KALDE. ڈچ کا KALLEN اور K (ک) کو G (گ) سے بدل کر یونانی کا GERYO سنسکرت کا GAR جو فارسی میں * غریو ہے نیز انگریزی کا CRY (چلانا) جو فرانسیسی میں CRIER ہے۔ وغیرہ۔

یہ درست ہے کہ اہل یورپ نے یہ کلمات عبرانی کے قول یا قالا سے لئے ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبرانی میں قول اور قالا کہاں سے آیا ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ ہم "تلاش" کا سلسلہ عبرانی تک پہنچا کر خاموش ہو جائیں اور ایک قدم آگے بڑھا کر عربی کے "قول" پر نظر نہ ڈالیں۔

قول سے اہل یورپ نے جو کلمات بنائے ہیں ان پہ ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ل اور ر (R — L) ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح G - C اور K (غ گ ک) ایک دوسرے کی جگہ لے لیتے ہیں۔ عربی اور عبرانی کے تعلقات پر الگ عرض کیا جائے گا۔ انشاءاللہ

پھینکنا | THROW انگریزی کلمہ ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں پھینکنا۔ ڈالنا۔ دور کرنا وغیرہ یہ لفظ بہت سے کلمات کے ساتھ سابقہ کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً THROW BY کے معنیٰ ہیں رد کرنا۔ بات کی تردید کرنا۔ THROW LIGHT کا مفہوم ہے۔ روشنی ڈالنا تشریح کرنا۔ واضح کرنا —— THROW OUT کا مطلب ہے خارج کرنا۔ نکال دینا، نامنظور کرنا، مات کرنا۔ وغیرہ انگریزوں کا خیال ہے کہ انہوں نے یہ لفظ اپنی قدیم زبان اینگلو سا کسن سے لیا ہے۔ جہاں اسکی صورت THRAWAN ہے۔ ممکن ہے۔ ان کا یہ خیال درست ہے۔ لیکن اینگلو سا کسن میں THRAWAN کے معنیٰ ہیں۔ رسی کو بل دینا۔ دھاگا یا رسی بنانا وغیرہ ہمارا خیال ہے کہ اس لفظ کا ماخذ عربی میں طرح جیسا کہ خود اہل یورپ طرح کو TARE کا ماخذ مانا ہے۔

جرنیل | جرنیل، انگریزی، فرانسیسی، پرتگالی، جرمن اور روسی زبانوں میں GENERAL ہے۔ اطالوی میں اسکی املا GENERALE ہے۔ ہمارے ہاں اردو میں R (ر) کو N (ن) پر مقدم کر لیا گیا ہے۔ اس لفظ کا یورپی ماخذ لاطینی زبان کا کلمہ GENUS ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں عمومیت، عام، جو خاص نہ ہو، فوجی جرنیل دراصل GENERAL OFFICER (جنرل آفیسر) یا GENERAL COMMANDER (جنرل کمانڈر) ہے جس کا دوسرا کلمہ آفیسر یا کمانڈر کثرت استعمال کے سبب حذف کر دیا گیا ہے۔ اور عام بول چال

میں معروف "جنرل" استعمال ہوتا ہے جسکی اردو صورت جرنیل ہے۔ یہ لفظ انگریزی کے توسط سے اردو میں بھی عام استعمال ہونے لگا ہے۔ جنرل سٹور، جنرل پوسٹ آفس، جرنیلی سڑک (G.T.R.) جنرل مینجر وغیرہ۔

حال ہی میں اردو لغت میں جنرک (GENERIC) کا اضافہ ہوا ہے یہ بھی اسی جنرل (GENERAL) کی معرفت آیا ہے۔ ان سب کا ماخذ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، لاطینی کا کلمہ GENUS ہے۔ جو عربی کے کلمہ "جنس" سے لیا گیا ہے۔ "جنس" کے جو معنیٰ عربی میں ہیں وہی لاطینی میں GENUS کے ہیں۔

جنڈر | عربی میں "جنس" تذکیر و تانیث کے لئے بھی مستعمل ہے۔ یورپ کی زبانوں میں GENDER یہی مفہوم دیتا ہے۔ اور یورپ کے ماہرین لسانیات تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے GENDER کا لفظ لاطینی کے اسی زیر بحث کلمہ GENUS سے لیا ہے۔ "جنس" اور "جنسیات" وغیرہ کلمات اپنے اندر تولید و تناسل کا مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ یورپ والوں نے اس مفہوم کو GENRATE اور GENRATION وغیرہ کی صورت میں اپنایا ہے۔ "بجلی کا جنریٹر" ہمارے ہاں اردو میں عام استعمال ہوتا ہے۔

انگریزی میں GENDER (تذکیر و تانیث) کے شروع میں سابقہ لگا کر ENGENDER بنا لیا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں پیدا کرنا۔ جنم دینا۔ جننا۔ GENIUS جس کے معنیٰ ہمزاد کے ہیں، اسی کلمہ GENDER کی ایک صورت ہے۔ جس میں عربی کے "جنس" اور لاطینی کے GENUS کا "س" (S) صاف نظر آ رہا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ: GENERAL کے اصل معنیٰ عمومیت کے ہیں، جس طرح عربی میں جنس کا مفہوم ہے۔ نیز GENDER وغیرہ کلمات تذکیر و تانیث اور تولید و تناسل کا مفہوم دیتے ہیں۔ جس طرح عربی میں جنس، جنسی، جنسیات وغیرہ کلمات کا مفہوم ہے۔ یورپ کی مختلف زبانوں کے یہ کلمات اہل یورپ کی اپنی تحقیق کے مطابق لاطینی زبان کے کلمہ GENUS سے ماخوذ ہیں۔ ہم نے صرف اس قدر عرض کیا ہے کہ لاطینی کا کلمہ GENUS عربی میں "جنس" ہے۔

کرنیل | جرنیل کے ذکر سے کرنیل یاد آ گیا ہے۔ یہ لفظ انگریزی میں CONONEL ہے، جس کا تلفظ KERNEL ہے۔ یعنی اصل لفظ میں ر (R) نہیں بلکہ ل (L) ہے۔ لیکن تلفظ میں ل (L) کو ر (R) سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔

ہم اس سے پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ "ر" اور "ل" (R - L) دو ایسے حروف ہیں جو آپس میں بکثرت تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ COLONEL میں بھی L کی آواز R کی ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ اس لفظ کا تلفظ کرنیل ہے۔ ہمارے ہاں اردو ہی میں نہیں، اہل یورپ بھی کرنیل KERNEL ہی

تے ہیں۔ اور ہسپانوی اور پرتگالی زبانوں میں اسکی املا بھی R کے ساتھ ہے۔ یعنی CORONEL
ہم فرانسیسی میں CORONEL ہے۔

کرنیل کے اصل اور ماخذ کے بارے میں اہل یورپ خاموش ہیں۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ:

THE NAME WAS ORIGINALLY GIVEN TO THE LEADING COMPANY IN A REGIMENT.___ THE CHIEF COMMANDER OF A REGIMENT OF TROOPS.

کرنیل جس سے مراد رجمنٹ کا افسر اعلیٰ ہے۔ شروع میں رجمنٹ میں سب سے اعلیٰ کمپنی کے لئے
ستعمال کیا جاتا تھا۔

ہم اس لفظ COLONEL کے ماخذ کی تلاش میں اس کے تلفظ KERNEL سے مدد لیتے ہیں۔ یورپ
جدید زبانوں میں درجنوں کلمات ایسے ہیں جن کا تلفظ KERN سے شروع ہوتا ہے۔ اور ان سب کے
ذن میں تاج کا مفہوم قدر مشترک کی حیثیت سے موجود ہے۔ خود تاج کے لئے انگریزی میں CROWN
راؤن) کا لفظ ہے۔ فرانسیسی میں CORNE ہسپانوی میں CUERNO پرتگالی اور اطالوی میں CORNO
ہ۔ اہل یورپ کی تحقیق کے مطابق "تاج" کے لئے مستعمل ان تمام کلمات کا ماخذ HORN ہے۔ جس کے
سینگ کے ہیں۔ اور جرمن میں تو "تاج" کے لئے لفظ ہی HORN کا ہے۔ گویا یورپ والوں نے
ینگ کو تاج کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ عربی میں "قرن" کے معنی بھی سینگ
تاج کے ہیں۔

تاج | ہمارا خیال ہے کہ CORNE جو "تاج" کے معنی دیتا ہے، اسے HORN سے ماخوذ ماننے
خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ یہ لفظ براہ راست عربی کے "قرن" سے ماخوذ مان لیا جائے تو اس کے
لاف دلیل نہیں دی جا سکتی۔

انگریزی کے CROWN (تاج) کی املا میں "W" کا اضافہ حشو اور زائد ہے، ورنہ اسی
زبان کے مختلف کلمات ایسے ہیں جن میں "تاج" کا مفہوم ہے۔ اور "W" کا وجود نہیں مثلاً CORONATION
رسم تاج پوشی) CORONET چھوٹے درجے کا تاج جو ولی عہد کو پہنایا جاتا ہے۔

یہ موقع "تاج" پر گفتگو کا نہیں۔ اصل زیر بحث کلمہ کرنیل COLONEL ہے۔ اور ہم یہ واضح کرنا
چاہتے ہیں کہ COLONEL کے تلفظ میں L کی آواز R کی ہے۔ یعنی CORONEL اور اس کے ماخذ
کے سلسلہ میں عرض ہے۔ کہ CORON یا CORN وغیرہ قسم کے کلمات کے معنوں میں "تاج" کا مفہوم
پایا جاتا ہے۔ اور یہ سب کلمات عربی کے کلمہ "قرن" سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے کرنیل COLONEL کا ماخذ

بھی عربی کا یہی کلمہ "قرن" ہے۔ اور ابھی کل تک ہمارے ملک میں بھی کرنیل کے کندھوں پہ چھوٹا سا تاج ہوا کرتا تھا۔ یعنی کرنیل کے معنیٰ ہیں چھوٹے درجے کا تاجدار افسر، یعنی افسر اعلیٰ وغیرہ۔

انگریزی میں ایک لفظ CORONER ہے، جس کے معنیٰ ہیں وہ افسر جو کسی کی موت کی تحقیقات پر مامور کیا جاتا ہے۔ اور اس کا ماخذ بھی اہل یورپ کے ہاں وہی ہے۔ جو CROWN "تاج" کا ماخذ ہے یعنی عربی کا "قرن"۔ اب اگر ایک معمولی کام کی تحقیقات کے اختیارات کے مالک کو تاجدار کیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ THE CHIEF COMMANDER OF THE REGIMENT کو کرنیل صاحب کراؤن یعنی تاجدار نہ کیا جائے۔

یاد رہے کہ CROWN وغیرہ کلمات کو ہم نے کھینچ تان کر HORN یعنی سینگ نہیں بنایا بلکہ یہ اہل یورپ کی اپنی تحقیق ہے۔ ہم نے صرف اتنا عرض کیا ہے کہ انگریزی کا CROWN فرانسیسی کا CORNE، ہسپانوی کا CUERNO پرتگالی کا اور اطالوی کا CORNO اور ان سے مشتق اور ماخوذ درجنوں کلمات جیسے CORONATION - CORONET اور CORONER وغیرہ اگر سینگ سے ماخوذ ہیں تو سینگ کے لئے عربی میں "قرن" کا لفظ موجود ہے۔ آپ جان بوجھ کر اس سے چشم پوشی نہ کریں۔

گوشہ | CORNE جس کے معنیٰ انگریزی میں گوشہ، کونہ، نکڑ کے ہیں نیز QUERN جس کے معنیٰ سنگ میل کے ہیں۔ اہل یورپ ان کا ماخذ بھی HORN یعنی سینگ بتاتے ہیں۔

CORONA کے معنیٰ ہیں حلقہ روشنی، سورج کے گرد ہالہ اسی طرح CORONAL کے معنیٰ ہیں روشنی کا تاج آپ نے عیسائی کتابوں اور رسالوں میں حضرت مسیحؑ کی فرضی تصویر دیکھی ہوگی، تصویر میں سر کے گرد روشنی کا ایک دائرہ سا بنایا گیا ہے۔ سکھوں کے گرو نانک صاحب اور مہاتما بدھ کی تصویروں میں یہ روشنی کا حلقہ بنایا جاتا ہے۔ اسے اہل یورپ CORONAL کہتے ہیں، یعنی روشنی یا نور کا تاج، ماخذ اور مادہ (ROOT) ان کلمات کا بھی یہی سینگ یعنی عربی کا "قرن" ہے۔ ذوالقرنین کے بارے میں ابن جریر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ یہ دو مملکتوں یعنی "فارس اور روم" کا بیک وقت بادشاہ، حکمران اور تاجدار تھا اس لئے ذوالقرنین (دو تاج والا) کہلاتا تھا۔

علم نباتات کی اصطلاحات میں بہت سے ایسے کلمات ملتے ہیں جو اسی تاج، سینگ اور آنکڑا کا عربی کے "قرن" سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً COROLLA، COROLLARY اور CORNICE۔

لونگ | اگر قارئین حضرات بے جا جرأت اور حد سے تجاوز کے الزام سے معاف فرمائیں تو عرض کروں گا کہ قرنفل (لونگ) میں بھی یہی سینگ والا "قرن" ہے۔ جو پھل یعنی لونگ کے سر پہ تاج کی صورت

میں نظر آرہا ہے۔

آدمی | بات جرنیل اور کرنیل کی تھی "تاج" کا قصہ درمیان میں آگیا، اگر اجازت دیں تو فوج (آرمی) ARMY کے بارے میں چند باتیں عرض کردی جائیں۔ یہ تو سب جانتے اور مانتے ہیں کہ ARMY کا ماخذ ARM ہے۔ اور ARM (آرم) کے معنی ہیں ہتھیار، اسلحہ، اوزار لڑائی میں کام آنے والے ہتھیار جنہیں انگریزی میں WEAPON کہتے ہیں۔ ہسپانوی، پرتگالی اور اطالوی میں ARMA اور فرانسیسی میں ARME کہلاتے ہیں۔ انسان کا بہترین ہتھیار اس کے دست وبازو ہیں۔ اس نسبت سے بازو کو بھی ARM کہہ دیا جاتا ہے۔ پھر انسانی جسم کے بازو سے مشابہت کی بناء پر کرسی کے بازو کو بھی ARM کہنے لگے، لیکن اصل حقیقت آرم (ARM) کی ہتھیار یا اسلحہ ہے۔ اہل یورپ نے الف (A) کا تکلف کیا ہے۔ ورنہ اصل لفظ رمی یا رمح تھا۔ جس کے معنی پھینکنے، مارنے، تیر مارنے یا تیر، برچھی اور نیزے کے ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ انسان نے دشمنوں کے مقابلے کے لئے آج سے ہزاروں سال پہلے یہی ہتھیار استعمال کئے تھے۔ ممکن ہے اہل یورپ نے الرمح کا "ل" بے آواز جان کر حذف کردیا ہو۔ اور آخر میں "ح" تو ان کے مطلب کا حرف ہے ہی نہیں۔ باقی ارم وہی ARM ہے ـــــ۔

عالم | ایک روسی مصنف "اے۔ کوندراتوف" (A-KONDRATOV) نے علم "سیمیا" (SEMIOTILS) پر ایک کتاب لکھی ہے۔ کتاب کا نام ہے۔ SOUND AND SIGNS۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱ پر لکھتا ہے۔

ILL THE MULTIFARIOUS PHENOMENA OF THE WORLD
IBOUT US CONVEY INFORMATION.

ہمارے اردگرد جس قدر بھی مظاہر قدرت ہیں، یہ سب کے سب ہمیں معلومات فراہم کرتے ہیں ـــــ"۔

آج بیسویں صدی میں جو سائنس اور معلومات کی صدی کہلاتی ہے۔ "کوندراتوف" کا یہ جملہ ایک عام جملہ نظر آتا ہے۔ جس میں کوئی خاص انوکھی یا نئی بات نہیں بتائی گئی، لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے۔ جب ہم قرآن کی زبان میں دنیا کے لئے "العالم" کی اصطلاح پر نظر ڈالتے ہیں کہ آج سے ہزاروں سال پہلے اس الہامی زبان میں دنیا کو العالم کا نام دیکر اس حقیقت کیطرف توجہ دلادی گئی تھی جو دنیا کو آج نظر آئی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ عربی میں دنیا کو العالم اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ علم کا ذریعہ ہے۔ اور العالم

کا مادہ (ROOT) اور ماخذ وہی علم ہے۔ جو اس سے یا اس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔
مختصر یہ کہ عربی میں دنیا کو عالم کہا گیا ہے۔ اور یہ لفظ علم (جاننا) سے ماخوذ ہے۔
آئیے یورپ کی جدید زبانوں پر نظر ڈالیں۔ فرانسیسی میں دنیا کو MONDE ہسپانوی اور پرتگالی زبانوں میں MUNDO اور اطالوی میں MONDO کہا جاتا ہے مصنوعی زبان اسپرانتو میں MONDO۔
یہ سب کے سب الفاظ صورت اور معنیٰ ہر اعتبار سے لاطینی زبان کے کلمہ MENS سے ماخوذ ہیں۔
جس کے معنیٰ ہیں سوچنا، جاننا، غور کرنا، انگریزی کا کلمہ MEAN (معنیٰ) اور MIND بھی اسی سے ماخوذ ہے گویا عربی کیطرح یورپ کی جدید زبانوں میں بھی دنیا کے لئے جو لفظ رائج ہے اس کے معنیٰ بھی جاننا اور سوچنا ہیں۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان کلمات کا ماخذ بھی عربی میں "مان" کی صورت میں ملتا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں وہی جاننا۔ بتانا۔ خبردار کرنا۔ معلوم کرانا وغیرہ۔
انگریزی میں جو دنیا کو WORLD کہا گیا ہے۔ تو اس کے بارے میں لسانیات کے علماء کا خیال ہے کہ یہ کلمہ یورپ کی ایک قدیم زبان اینگلو ساکسن سے ماخوذ ہے۔ جس میں WER کے معنیٰ ہیں MAN یعنی آدمی۔ اور ان لوگوں نے MAN کی اصل کے سلسلہ میں پھر وہی بات کہی ہے۔ جو اوپر MONDO (دنیا) کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہے۔ یعنی MAN لاطینی میں MENS سے ہے جس سے MIND بنا ہے۔ یعنی سوچنے کی قوت دماغ، ذہن وغیرہ۔ اور انسان سوچ کے لئے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یعنی WORD اور اس تعلق کی وجہ سے انسان کو WER کہا گیا ہے جو جرمن میں WELT اور اسپرانتو میں VIRO ہے۔ اور یہی WER دنیا یعنی لفظ WORLD کا ماخذ ہے۔

سیمیا | اوپر لفظ "عالم" پر گفتگو کے شروع میں ہم نے علم سیمیا (بروزن کیمیا) کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ انگریزی میں یہ لفظ SEMIOTICS ہے، جس کا یونانی زبان میں ماخذ SEMION ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں نشان، علامات، اشارہ وغیرہ۔ علم علامات کے لئے SEMEIOGRAPHY کی اصطلاح یونانی زبان کے اسی ماخذ سے لی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس لفظ کو سنسکرت کے کلمہ SAMA سے ماخوذ تصور کیا ہے، جس کے معنیٰ ہیں مانند، مثل کی طرح لیکن عربی کے کلمہ "سیما" کی طرف کسی کا ذہن نہیں گیا جو قرآن میں بھی مستعمل ہے۔ اور اس کے وہی معنیٰ ہیں جو یونانی کے کلمہ SEMEION کے ہیں یعنی نشان، علامت، صورت، اشارہ وغیرہ۔

برجوازی | روس کے مصنّف کی بات سے سوشلزم کی ایک اصطلاح "برجوازی" جو انگریزی میں BOURGEOIS ہے کیطرف دھیان جاتا ہے۔ یہ لفظ فرانسیسی زبان کا ہے۔ جہاں اس کے معنیٰ

ہیں، شہر قصبہ یا محل میں رہنے والے لوگ اور ظاہر ہے کہ محلات میں رہنے والے یا عام طور پر شہروں قصبوں میں آباد لوگ دیہاتیوں کے مقابلے میں زیادہ خوشحال اور متمول ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگ انقلاب میں بہت کم شریک ہوا کرتے ہیں۔ ان کی سفید پوشی عیش کوشی اور خوشحالی انہیں انقلاب کی تند و تیز اور پُر مصائب و پُر آلام زندگی اختیار کرنے سے روکے رکھتی ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ "برجوازی" سے ایسے لوگ مراد لئے جانے لگے جو انقلاب کے مخالف ہیں۔ اور اشتراکی کتابوں میں پرولتاری کے مقابلے میں برجوازی کا لفظ مستعمل ہے۔ یہ لفظ جیسا اوپر عرض کیا گیا ہے۔ اصل میں فرانسیسی زبان کا ہے۔ جہاں اسکی صورت BOURG یعنی قصبہ یا ایوان کی ہے۔ اگر ہم ذرا غور کریں تو عربی میں "برج" جسکی جمع "بروج" آتی ہے، اسی صورت اور معنیٰ میں موجود ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم برجوازی کو اسی عربی بُرج سے ماخوذ نہ مانیں۔

پرولتاری | برجوازی کے ساتھ پرولتاری کا ذکر نہ کرنا محنت کش طبقہ کے حق میں بے انصافی ہے۔ یہ لفظ برجوازی کے مقابلے میں محنت کش لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسکی صورت ہے PROLETARIAN ایسے لوگ جو پسماندہ غریب اور محنت کش طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے اصل اور ماخذ کے بارے میں اہل یورپ کی تحقیق یہ ہے کہ اس کے شروع میں PROLE کا لفظ زائد ہے۔ جو لفظ کے شروع میں بطور سابقہ استعمال ہوا ہے۔ اصل لفظ ہے۔ TAR جو فرانسیسی میں TARE اور ہسپانوی میں TARA ہے۔ اس کے ماخذ کے بارے میں خود اہل یورپ کا خیال ہے۔ کہ انہوں نے یہ لفظ عربی ماخذ "طَرَح" سے لیا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں پھینکنا۔ ڈالنا۔ دور کرنا وغیرہ گویا پرولتاری (PROLETARIAN) وہ لوگ ہیں جنہیں معاشرے نے الگ تھلگ پھینک رکھا ہے۔

الگ تھلگ | بات صرف پرولتاریوں تک نہیں بلکہ انگریزی کا لفظ TARE جس معنیٰ میں دال وغیرہ کا چھلکا جو الگ کر دیا ہے۔ نیز TARE جس کے معنیٰ ہیں دھڑا۔ یعنی کسی مائع وغیرہ کے تولتے وقت جو اصل شئے مطلوب کے وزن سے زائد برتن کا وزن ہوتا ہے۔ اور جسے اصل چیز کے وزن سے حساب میں الگ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بھی عربی کے اسی لفظ طرح سے ماخوذ ہیں۔ اور ان کا عربی ماخذ اسی قدر واضح ہے کہ اہل یورپ نے خود اعتراف کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہسپانوی زبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔ جس کی معرفت یہ کلمات یورپ تک پہنچے ہیں۔

آنسو | TARE کیطرح TEAR (آنسو، اشک) TEAR (الگ کرنا۔ پھاڑنا۔ جدا کرنا) اور TIRE (تھک جانا، اکتا جانا) وغیرہ کلمات کا ماخذ بھی یہی عربی کا لفظ طرح ہے۔ آپ غور کریں ان سب میں "طرح" کا مفہوم بطور قدر مشترک نظر آتا ہے۔

غلام اکبر متعلم ایف۔ اے۔ کراچی

تہذیب و ثقافت کے نام پر اسلامی تاریخ سے شرمناک مذاق

"پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء" نامی کتاب کی شر انگیزی

بندہ ایف۔ اے سال دوم کا طالب علم ہے۔ الحق نے مجھے بہت کچھ دیا اور دینی حمیت کو بیدار کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ کالج کی لائبریری میں اس قسم کے رسالوں کا داخلہ ممنوع ہی سمجھئے، البتہ اس کے برعکس لادینی اور اشتراکی نظریات پھیلانے والے اور مغرب کی رغبت دلانے والے کئی قسم کے رسالے اور اخبار بہ افراط دستیاب ہیں۔ لیکن ان رسالوں کو تو چھوڑیئے، اب تو باقاعدہ ایسی کتابیں کالج کی لائبریریوں کی زینت بننے لگی ہیں، جن میں تہذیب و ثقافت کے پردہ میں تاریخ اسلام کی عظیم ہستیوں کو تنگ نظر شر انگیز کہا گیا۔ اور ان کی دینی خدمات اور احیائے اسلام کی کوششوں کو ان کی لالچ یا اپنی سیاسی بالادستی حاصل کرنے پر محمول کیا گیا ہے۔

حال ہی میں ایک کتاب کالج کی لائبریری میں نمایاں مقام پر رکھی ہوئی دیکھی، کتاب کا نام ہے: پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء" مصنف کا نام سبط حسن ہے۔ کتاب پر لکھا ہوا ہے: " یہ طالب علموں کے مطالعہ کے لئے ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں خالص مغربیت اور مستشرقانہ نقطۂ نظر سے تاریخ پاک و ہند کی ممتاز ہستیوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ابتداء میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے آریائی ہندو، اور ہندوستان کی دیگر غیر مسلم اقوام کا تذکرہ ایسے انداز سے کیا گیا ہے کہ بو مصنف کی ان قدیم مشرک اقوام سے ذہنی وابستگی کا ثبوت دیتا ہے۔ آریاؤں اور ہندوؤں کے بتوں، مورتیوں، ان کی تہذیب و تمدن و معاشرت کا تذکرہ کرنے کے بعد سندھ میں مسلمانوں کی آمد کے متعلق بڑے ناگوار انداز میں لکھتے ہیں:

> "عثمان بن ابی العاص نے مال غنیمت کے لالچ میں آکر سندھ پر مغیرہ بن العاص کو فوج کشی کے لئے بھیجا" ص ۱۵۲

لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم فاتح سندھ کے حملہ کے متعلق یہ بات گول کر گئے کہ ان کی یہاں آمد کی وجہ کیا تھی، بس یہ بات لکھ دی: محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا، راجہ داھر کو شکست دی۔ حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، کہ محمد بن قاسم راجہ داھر سے ان مسلمان عرب تاجروں کا بدلہ لینے آئے تھے۔ جو داھر کے دور مملکت میں قید میں بے یار و مددگار پڑے ہوئے تھے اور جن کا ل لوٹ لیا گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے یہاں کے باشندوں سے جو سلوک کیا اور جس کی وجہ سے بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ اس کے متعلق سبط حسن لکھتے ہیں:

"حجاج کی خواہش تھی کہ کوئی ایسی تدبیر نکالی جائے جس سے یہاں کے باشندے انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھیں۔ صفحہ ۱۵۶"

عرب مسلمان واقعی نجات دہندہ تھے، جنہوں نے سندھ کے عوام کو راجہ داہر جیسے ظالم و جابر حکمران سے نجات دی، لیکن مصنف کی نظر سے محو ہے۔ اسی صفحہ پر آگے لکھتے ہیں:

"چنانچہ حجاج نے باشندوں کو ذمی قرار دیا۔ حالانکہ اسلامی قوانین کے لحاظ سے وہ مقاتل تھے۔"

مصنف قاری کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ جو ملک بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، وہاں کے باشندوں کا قتل عام اسلام نے جائز قرار دیا۔ اسلام کو غیر مسلم دانشوروں اور نام نہاد سکالروں سے سیکھنے والوں کا یہی طرز فکر ہوگا ——— صفحہ نمبر ۱۶۰ پر علماء و فقہا کے متعلق لکھا ہوا ہے:

"جو علماء و فقہاء دربار سے وابستہ تھے، ان کا منصب ہر جائز و ناجائز فعل کے جواز میں قرآن و حدیث کے حوالے سے پیش کرنا تھا۔"

اس کے بعد معتزلہ اور ائمہ اربعہ کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا گیا ہے۔ قرامطیوں کی "خدمات" کو سراہا گیا ہے۔ ان کے نظام حکومت کو اشتراکی حکومت سے مماثلت دی گئی ہے۔ صفحہ ۱۶۶

صفحہ ۲۰۳ پر ہے:

"جس طرح آجکل کے دنیادار مولوی اپنے مخالفین کو کمیونسٹ اور دہریہ کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح سولہویں صدی کے علمائے دین بھی ہر ابھری ہوئی شخصیت کو مہدوی یا رافضی کہہ کر بدنام کرتے تھے .... مورخوں نے مذہبی تعصب کی بناء پر قرامطیوں کو بدنام کیا۔"

مصنف کا خیال ہے۔ کہ قرامطہ کی تحریک محض سیاسی تھی، لیکن اس زمانے میں حال یہ تھا کہ کوئی تحریک مذہب کے بغیر چلائی نہیں جا سکتی تھی۔ مجدد الف ثانی، سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید وغیرہ کی تحریکیں

بھی سیاسی مذہب کو صرف کامیابی حاصل کرنے کیلئے اپنایا گیا۔ تھیں
مصنف موجودہ سیاسی شاطروں اور مجدد الف ثانیؒ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں، جسطرح آجکل کے سیاست دان مذہب کو اپنی سیاسی کامیابی کیلئے استعمال کرتے ہیں اور مطلب براری کے بعد ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ اور یہ عظیم ہستیاں بھی ایسی ہی تھیں۔
شیخ احمد سرہندیؒ سے متعلق ص۳۲۳ پر لکھتے ہیں:

"شیخ سرہندی نے اس پر بھی اکتفاء نہ کیا بلکہ اپنا مرتبہ رسول صلعم اور خلفائے راشدین سے بھی بڑھا دیا۔۔۔۔۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی کے غیظ و غضب کی تلوار علم و حکمت پر بھی چلتی تھی، وہ علوم عقلیہ کو بھی مسلمانوں کے حق میں زہر قاتل خیال کرتے تھے۔۔۔۔۔ وہ جن کو مجدد اسلام ہونے کا گھمنڈ تھا، اُن کی میٹھی زبان اور علمی لیاقت آپ نے دیکھی، وہ حضرت عیسیٰ کو افلاطون کا پیشوا اور ہم عصر سمجھ بیٹھے ہیں۔"

"شیخ احمد نے اپنا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء سے بڑھا دیا" یہ کس کتاب میں لکھا ہُوا ہے۔ حوالہ نہیں دیا۔ حوالۂ کتاب ہوتا تو ہم اصل کتاب دیکھ کر سیاق و سباق کے ساتھ معلوم کر لیتے۔ لیکن وہ طلباء جن کو تاریخی و سوانحی کتب سے برائے نام دلچسپی باقی رہ گئی ہے، ایسی عبارات کو پڑھ کر اسلام اور مشاہیرِ اسلام کے بارہ میں کیا رائے قائم کریں گے۔

پھر لکھتے ہیں:

"یہی وہ سرہندی ذہنیت تھی، جس نے ۱۹ ویں صدی میں سر سید پر کفر کے فتوے لگائے اگر یہ مذموم کوشش کامیاب ہوگئی ہوتی تو برِصغیر کے مسلمان آج مسجدوں میں اذان دینے اور میت کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے علاوہ اور کسی کام کے نہ ہوتے۔" ص۳۲۲

نیز۔۔۔ "جہانگیر کو جب شیخ صاحب کی شر انگیز سرگرمیوں کی خبر ہوئی تو اُس نے شیخ کو گوالیار میں قید کر دیا۔" ص۳۲۵

شیخ صاحبؒ کی شر انگیزی کیا تھی؟ جس نے دورِ اکبری و جہانگیری کی تاریخ پڑھی ہے وہ سب جانتے ہیں۔ خدا کے سوا کسی اور کے آگے سر نہ جھکانا اگر شر انگیزی ہے، تو ہر مسلمان اس شر انگیزی کیلئے تیار ہے۔ اور مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ گواہ ہے۔ جہاں کوئی مغرور و متکبر انسان نے خدائی یا خدائی اختیارات کا دعویٰ کیا۔ کوئی خدا کا بندہ اٹھا اور اس کی خدائی کو چیلنج کرتا۔
اس ضمن میں مصنف، اُن سرکاری درباری مولویوں کو بھول گئے، جن کے کہنے پر شیخ احمدؒ کو قید کیا گیا۔

اس وقت مصنف کی نظر میں وہ قابلِ احترام اور آزاد خیال "مصلح" ہوتے ہیں۔ لہذا اُن کی وکالت کرنا لازم ہے، لیکن جہاں جہاں کوئی مردِ حق آگاہ اور اسلام دوست شخص تاریخ میں مصنف کو نظر آیا ہے، تہذیب و ثقافت کے پردے میں اُن پر چوٹ کرنے سے دریغ نہیں کیا گیا۔ دورِ اکبری میں اکبر کی ملحدانہ پالیسیوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں کو سراہا گیا۔ اُن کو مصلح (؟) قرار دیا گیا۔ اس طرح دورِ جہانگیری میں مصنف کی ہمدردیاں جہانگیر اور اُن کے درباریوں کے ساتھ ہیں۔ جبکہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور تک آتے آتے دارالشکوہ کی مدح سرائی پر مجبور رہے۔ چنانچہ اُن کے "علم و حکمت" (؟) کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تیموری خاندان میں دارالشکوہ سے زیادہ علم و حکمت کا شیدائی کبھی پیدا نہیں ہوا۔" ص ۲۲

سبطِ حسن کی نظر میں دارالشکوہ کی عظمت اس لئے ہے کہ وہ ہر نئی بات کو قبول کرنے والا تھا۔ وہ اسلام کے ساتھ دیگر مذاہب کو بھی مانتا تھا۔ عالمگیر ایک اسلام پسند حکمران تھا جس نے اسلامی فقہ کی تدوین کے ساتھ ساتھ اسے ملک میں جاری کرنے اور اکبری دور کی ملحدانہ پالیسیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مصنف عالمگیر کی ان کوششوں کو کسی اور نظر سے دیکھنے کا عادی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"عالمگیر کے عہد میں شریعت کی سخت گیریوں کے باعث فکر و فن اور علم و ادب کے سوتے خشک ہو گئے" ص ۲۲۵ ...... "علمی اور تہذیبی خدمات میں عالمگیری عہد کا حصہ قریب قریب صفر کے برابر ہے .... اکبری عہد مغلیہ تہذیب کے چڑھتے سورج کا عہد تھا اور عالمگیری ڈھلتے سورج کا۔" ص ۲۲۵

سندھ میں بعض داہر پرستوں نے اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ سب کی نظر میں ہے۔ حکومت نے ان میں سے بعض کتابوں پر برائے نام پابندی بھی لگا دی ہے (ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہونے کے باوجود) لیکن اسے کیا کیجئے کہ اب بھی ایسے قوم پرست یا وطن پرست حضرات قومی یا وطنی موضوعات پر لکھتے ہیں۔ اور جہاں جہاں اسلام ان کے نظریات میں سدِ راہ ہوتا ہے۔ یہ حضرات بالواسطہ طور پر اسلام ہی پر اعتراض کرتے ہیں۔ اگرچہ بلاواسطہ نہیں۔ سید احمد شہید، شیخ احمد سرہندی اورنگ زیب عالمگیر اس لئے اُن کا نشانہ بنتے ہیں کہ انہوں نے احیائے اسلام کا بیڑا اٹھایا۔

جو طلباء اس قسم کی کتابیں پڑھیں گے، اُن کے خیالات خود بخود وہی ہوتے چلے جائیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم علماء اور مفکرین ان موضوعات پر قلم اٹھانے کی تکلیف فرمائیں۔ یورپ کی غلامی نے ہمارے اندر ایسے "دانشور" پیدا کئے جو مسلمان نام رکھ کر وہی کچھ لکھتے اور کہتے ہیں، جس کی توقع اُن کے استادوں سے ہوتی ہے ......

قارئین

افکار و تاثرات

- ذکری مذہب
- مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم

ذکری مذہب | الحق میں سلیم الحق صاحب کا مضمون "سندھ و بلوچستان میں ذکری مذہب" پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی، میں اس موضوع پر کام کر رہا ہوں، آغاز مذہب کے بارے میں میری تحقیق سلیم الحق صاحب سے مختلف ہے۔ عقائد اور معاملات کے بارہ میں میرے پاس کافی مواد ہے۔ عبادات پر مشتمل ان کی کتاب "میں ذکری ہوں" دوسری کتاب ذکر توحید ہے۔ جس میں پنجگانہ تسبیحات ہیں۔ اس کے علاوہ ایک سپاسنامہ ہے جو انہوں نے جام غلام قادر وزیر اعلیٰ بلوچستان کو پیش کیا ہے جس میں بلوچستان کے قاضیوں کے فیصلہ کی مذمت اور علماء کے بارہ میں نازیبا جملے استعمال کئے گئے۔ اور مطالبات میں انہوں نے اس سے قبل سابق گورنر میر غوث بخش بزنجو کو جب سپاسنامہ پیش کیا تو انہوں نے سختی سے جھاڑ دیا کہ یا تو خاموش رہو یا مسلمانوں کی طرح نماز حج ادا کرتے رہو مگر دوسرے سپاسنامہ کے موقع پر جام صاحب نے انہیں تمام مطالبات پورا کرنے کا یقین دلایا۔ کہا جاتا ہے کہ تربت کے قریب ذکری فرقہ کی زیارت گاہ جہاں یہ حج کے لئے جاتے ہیں کی مرمت و تعمیر کے لئے انہیں ایک لاکھ روپے منسٹری کی طرف سے ملے ہیں۔ ان کے متعلق ایک کتاب فارسی میں دستیاب ہوگئی ہے ــــ عمدۃ الوسائل برد مذہب الباطل مؤلفہ مولانا محمد موسیٰ دشتی جو ۱۳۲۵ھ میں چھپی ہے۔ قاضی عبدالصمد سربازی مرحوم کی کتاب "قبر اسلام بر کہور ذکریاں" اور ارمغان ذکریاں ان سے کافی معلومات مل سکتی ہیں۔ (عبدالمجید۔ کراچی)

قادیانیوں کیطرح ذکری مذہب پاکستان خاص طور سے بلوچستان میں زوروں پر ہے۔ مگر اکثر لوگوں کو اس کے بارہ میں علم ہی نہیں، اس کے پیروکار ضلع مکران کی تقریباً ہر تحصیل میں ہیں۔ اور اکثر پیروکار کراچی میں بھی ہیں) اللہ کی وحدانیت پر ایمان مگر سرور کائنات کے منکر ہیں، کہتے ہیں کہ حضورؐ کے ایک دوسرے پیغمبر امام مہدی کی سنت جاری کئے ہے اور وہ ہمارے ملائیوں کو حکم خداوندی سے مطلع کرتے ہیں۔ ان کا کلمہ ہے:۔
لا الہ الا اللہ مہدی نور پاک رسول اللہ۔ ذکریوں کی بعض کتابیں بھی ہیں مثلاً: ۱۔ مہدی نامہ مؤلفہ سید شاہ دوست مولائی۔ ۲۔ سوانح مہدی از ولی سکندر آبادی۔ ۳۔ حیات نیازی مؤلفہ محمد داؤد خان شیر

۴۔ سیرِ مسعود مصنفہ مولوی اشرف علی پالنپوری

اس کے علاوہ ذکری تحریک تاریخ کی روشنی میں ایک کتابچہ سپر آرٹ پریس کراچی نے شائع کیا ہے۔

جس کے ذریعہ سید عبدالعزیز مولائی، سید عیسیٰ نوری علاقہ مکران میں تبلیغ کر رہے ہیں۔ ذکری لوگ کراچی اور بلوچستان کے گوشے گوشے سے ہر سال کوہ مراد کا حج کرتے ہیں۔ تمام اکابر علماء کو اسی فرقہ ضالہ کی طرف توجہ دینی چاہئے اور حکومت بھی قادیانیوں کیطرح ان کے غیر مسلم ہونے کا اعلان کر دے۔ (مسقط سے ایک مسلم)

دینی مدارس کا نصاب تعلیم — تصویر کا ایک اور رخ

الحق میں جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کا مضمون بعنوان بالا نظر سے گذرا انہوں نے کچھ ترمیم کے ساتھ نصاب کے بارے میں وہی تجاویز سپرد قلم کی ہیں۔ جو ایک عرصہ ہوا۔ جناب مودودی صاحب نے بھی اس قسم کی تجاویز پیش کی تھیں اور بعض اخبارات میں شائع بھی ہوئی تھیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمنواجب بھی اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو یہ درد و دکھ ضرور بیان کرتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگوں میں علماء کے خلاف باتیں ہوتی رہتی ہیں، اس لئے علماء کرام کو دنیوی علوم کیطرف بھی پوری توجہ دینی چاہئے۔ میرے خیال میں نئی تہذیب کے دلوں میں ابھرے ہوئے یہ خیالات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ انگریز اور ان کے کارندوں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ تاکہ علماء کو اس طرح بھی زیر کیا جا سکے گویا علماء کے خلاف بہتان اور ہتھکنڈے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ وہیں ایک وار یہ بھی سہی۔

کیا میں یہ عرض کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ علماء کی جامعیت کا "درد" رکھنے والے نے یہ سوچا ہے کہ علماء جو کہ تعداد کے لحاظ سے آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ وہ اپنی معمولی تعداد کی فکر تو ضرور کر رہے ہیں۔ لیکن کثیر الوجود پروفیسروں اور دنیوی علوم کے حاملین کی فکر کیوں نہیں کرتے اور ان کے لئے دینی نصاب تجویز کیوں نہیں کرتے۔ ؟

کیا اس خوشنما اور ہمدردانہ تجاویز کے ساتھ اغیار کا یہ جذبہ تو کار فرما نہیں ہے کہ اسطرح کی تجویزوں سے رہے سہے علماء کو بھی مٹا دیا جائے گا۔ ضرور ان تجاویز سے مجھ ایسے دینی طالب علم کو یہی باتیں شدت کے ساتھ کھٹک رہی ہیں۔ ورنہ اگر یہ حضرات غور و فکر کرتے تو اس قسم کی تجاویز کیطرف قطعاً توجہ نہ کرتے کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ علماء اسلام کن مشکل ادوار سے گذرے اور گذر رہے ہیں۔

۱۔ کیا درس نظامی کے فارغ التحصیل علماء کو زندگی کے تمام شعبہ جات میں سرکاری ملازمتیں میسر ہیں۔

۲۔ کیا دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے امراء اور متوسط طبقہ کے لوگ اپنے بچے دینی مدارس میں بھیجتے ہیں
۳۔ کیا دینی تعلیم کے مدرسوں کے لئے سرکاری طور پر کوئی معقول امداد دی جاتی ہے۔
۴۔ اور پھر کیا دینی طالب علموں کیلئے قریہ قریہ اور شہر شہر بھیک نہیں مانگی جاتی ۔ ؟
پھر کیا ان تمام باتوں کے باوصف ارباب اقتدار ان دینی اداروں کے مٹانے کے درپے نہیں پڑ جاتے تو یہ تھا کہ ان علماء کرام کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا کہ ان تمام تکالیف کے باوصف پھر بھی دینی جذبہ کے تحت علوم اسلامیہ کی تعلیم کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔ مگر تعجب ہے۔ فرنگی کے پروپیگنڈہ پر کہ جس نے مسلمانوں کے اندر اس بارے میں سوچنے کی سکت ہی نہیں رکھی !

کچھ عرصہ ہوا جامعہ اسلامیہ بہاولپور کیلئے ایک چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف نے مجھ سے نصاب کے متعلق تجویز طلب فرمائی جو کہ اپنی ناقص رائے کے مطابق تحریر کر کے ان کو پیش کر دی گئی۔ یہاں بھی مناسب ہے کہ ذکر کر دوں شاید کہ بہتر ثابت ہو سکے جہاں تک تمام علوم یعنی دینی و دنیوی علوم میں جامعیت کا تصور ہے۔ اور اس تصور کو لئے ہوئے ہمدرد حضرات، علماء پر نظریں اٹھائے رکھتے ہیں۔ سراسر غلط اور ناقابل عمل ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کی مثالیں ناپید ہیں۔ بلکہ یہ تصور تو بہت ہی وسیع تر ہے۔ تجربہ تو اس پر شاہد ہے کہ دنیوی علوم میں کوئی ایک شعبہ لیجئے ماہرین ایک شعبہ کے ماہر بھی من کل الوجوہ کالعدم ہیں۔ مثلاً انسانی امراض کا علاج دنیوی علوم کا ایک شعبہ ہے۔ کیا ہسپتالوں میں تمام امراض کیلئے کوئی ایک ڈاکٹر ماہر ہے۔ ؟ ہرگز نہیں بلکہ اگر انسانی وجود میں تین سو ساٹھ امراض پائی جاتی ہیں تو ہر مرض کیلئے الگ الگ سپیشلسٹ ہوتا ہے۔ یہی حال انجنیئرنگ، زراعت، تجارت وغیرہ کا ہے۔ جب مشاہدہ یہ ہے تو علماء کرام کے متعلق یہ سوچنا کہ ہر عالم تمام علوم اسلامیہ و دنیویہ کا ماہر ہو انتہائی عجیب و غریب بات ہے۔

ہاں البتہ دنیوی تعلیم کے طالب علم جب اپنی تعلیم مکمل کر لیں اور اسی طرح دینی علوم کے طلباء بھی جب سند فراغ حاصل کر لیں اور اپنے اپنے علوم میں پختہ ہو جائیں تو پھر ان ہر دو فریق کیلئے الگ الگ چار سالہ نصاب تجویز کیا جائے تاکہ دینی طلبہ دنیوی نصاب کی تعلیم حاصل کریں۔ اور دینی تعلیم کے طلبہ دینی نصاب کی تعلیم حاصل کریں اور پھر کیونکہ دینی اور دنیوی تعلیم کے مختلف شعبہ جات ہیں تو ہر شعبہ کیلئے الگ نصاب ہو تاکہ طلباء جس شعبہ کو اپنانا چاہیں اپنا سکیں اگر دینی اور دنیوی تعلیم کا نصاب بیک وقت جاری کیا جائے تو طلبہ کے ذہن بوجھل ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح کسی بھی طرف صحیح کامیابی مشکل ہو جاتی ہے۔ اور مذکورہ تجویز میں یہ خرابی نہیں پائی جاتی۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ دینی یا دنیاوی علوم سے فارغ ہونے والے حضرات جب اس قسم کے نصاب

کیلئے چار سال کا عرصہ دیں تو ان کیلئے معقول وظائف بھی ہوں۔ تاکہ ایک حد تک وہ معاشی ضروریات سے بھی بے فکر ہو کر چار سالہ کورس تعلیم کر سکیں۔ ضرورت ہے اس قسم کی ملک میں تجرباتی یونیورسٹی کھولنے کی۔ شاید کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔ (مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی۔ دارالعلوم مدینہ۔ ماڈل ٹاؤن۔ بہاولپور)

عیسائی مشنری سرگرمیاں عیسائی تبلیغ پر مشتمل منسلکہ پشتو لٹریچر کل یہاں کچھ لوگ تقسیم کر رہے تھے۔ لوگوں نے انہیں پکڑ کر یہاں سے نکالا، ایک پوری ویگن ان کے پاس اشتہارات سے بھری ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت فتنۂ ارتداد بڑے منظم طریقے سے اور جوش و خروش کے ساتھ شروع کر دیا گیا جو نہایت خطرناک ہے۔ لٹریچر پر لاہور کے کسی چرچ کی مہر لگی ہوئی ہے۔ (عبدالقیوم منگورہ۔ سوات)

قاضی القضاۃ سوات کی وفات سابق ریاست سوات کے محکمہ قضا کے قاضی القضاۃ مولانا فضل الٰہی صاحب سکنہ انگرو ڈھیری ۲۳ راکتوبر ۱۹۷۵ء کو انتقال فرما گئے۔ سوات کے محکمۂ قضاء کو ان کی وفات سے ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے۔ قارئین دعائے مغفرت فرمائیں۔

(قاضی غفران الدین، قاضی محمد عالم گل، حبیب اکبر۔ سیدو شریف۔ سوات)

حکیم سید جان بادشاہؒ مولانا حکیم سید جان بادشاہ مرحوم کابنٹ علاقہ جندول دیر ۱۷ رشوال ۱۳۹۵ھ کو وفات پا گئے۔ مرحوم علم و فضل، تقویٰ و زہد اور مکارم اخلاق میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (سید احمد شاہ سابق ناظم مدرسہ عربیہ۔ گجرات)

بقیہ: تحریک ریشمی رومال۔

کا پکا مرید ہو گیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اکسایا کہ جہاد کے لئے ہجرت کر جائیں۔ یہ پورا بیان تقریباً ایک صفحہ میں ہے۔ اوراق پلٹئے اور پورا بیان ملاحظہ فرمائیے کہیں کسی فقرہ سے بھی کوئی اشارہ اس الزام کا ملتا ہے جو اس ناخداترس عبدالرحمٰن نے مولانا عزیر گل صاحب پر لگایا ہے۔ اور جس کو محقق مقالہ نگار نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اپنے مقالہ میں سجایا ہے۔

پیش لفظ طویل ہو گیا۔ مگر حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے تقدس اور ان کے اس احترام سے جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے متوسلین کے دلوں میں ہے۔ اس ناکارہ کو اس طوالت پر مجبور کیا تاکہ ایک پاکباز کے دامن سے یہ ناپاک دھبہ دور ہو۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

بقیہ:۔ تجدید عہد

ان کی آہ عرش تک جاتی ہے۔ یہ کسی وقت بھی ایسی باتیں برداشت نہیں کریں گے۔ جو لوگ سوشلزم سیکولرازم اور لادینیت کی باتیں اس ملک میں کرتے ہیں وہ ذرا یہاں ان مسلمانوں کے مجمع میں ایسی باتیں کہہ دیں کہ ان کی کیا گت بنتی ہے۔ ہمیں یہ ملک اسلام کی خاطر خدا نے دیا۔ بنگلہ دیش والوں نے کافروں کے قدموں کو پکڑا۔ خدا ان کے ساتھ جو سلوک کرے گا وہ تو ہے ہی۔ اس دنیا میں مجیب کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی آپ نے دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اتنی ڈھیل نہیں دیتا اس لئے ہم اپنے وزیراعظم بھٹو سے بھی مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ تم ایسی آوازوں کے بارہ میں اپنا موقف واضح کردو اور سوشلزم اسلامی سوشلزم کے نعرے بلند کرنے والوں کی زبانیں کھینچ لو۔ ورنہ خدا کی گرفت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور خود آج ان لوگوں کی آپس میں جو حالت بنی ہے، کیا وہ عبرت کی بات نہیں ـــ ع۔ خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ الحمدللہ کہ سوشلزم اب خود بخود ایک دوسرے کے گلے پڑ رہا ہے۔ سوشلزم ایک دوسرے کو کھا رہا ہے۔ وہ سوشلزم جس کی بنیاد نفاق ظلم اور فساد پر ہے۔ اور جس کا فلسفہ کسی دہری نے مذہب کو نیست و نابود کر دینے کے لئے گھڑا تھا۔ اور سنہرے ناموں میں اسے لپیٹا کہ عزت نفس اور آزادی رائے مل جائے گی۔ حقوق ملیں گے تو کیا اسلام نے عزت نفس اسلام نے آزادی رائے اسلام نے رعایا کے حقوق اسلام نے حکومت کے ماں باپ کے اولاد کے ماتحتوں کے حقوق بیان کئے یا نہیں یا اس میں کچھ کمی ہے، جو تم سوشلزم سے اسے پورا کرتے ہو۔ حضور اقدسؐ سے غالباً عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر کہا اے بیت اللہ واللہ تیری بڑی شان ہے۔

واللہ ما اعظمك عند الله — تو بڑی پیاری ہے، بڑی پیاری ہے خدا کو، اور

واللہ ما احبك عند الله — بڑی شان ہے خدا کی نظروں میں تیری، بڑی شان

ہے۔ خانہ کعبہ کی۔ مگر ایک مومن کا نفس اور اسکی جان خدا کے نزدیک تم سے بھی زیادہ محترم ہے۔

آج کہتے ہیں عزت نفس، عزت نفس خدا معلوم عزت سمجھتے کس چیز کو ہیں لاکھوں انسانوں اور مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے عزت حاصل کرتے ہیں اسلام کہتا ہے کہ تم نے اگر کسی ایک مسلمان کو بھی قتل کر دیا تو گویا ساری مسجدیں تم نے ڈھا دیں، حرمین الشریفین کو تم نے گرا دیا۔ آسمانوں زمینوں اور عرش و کرسی کو گویا تم نے مسمار کر دیا اور کائنات کو ایٹم بم سے اڑا دیا، اتنا گناہ جو کرے گا اس سے قاتل کا گناہ بڑھ کر ہے۔

اور میں عرض کروں کہ یہ آزادی رائے آزادی رائے آزادی رائے کے نعرے کس مقصد کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ کونسی آزادی رائے کہ جو برا بھلا دل میں آئے اسے بکتا رہے اور اظہار حق اگر مطلوب ہے تو اسلام میں اسکی کیا کمی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ لوگوں کے سامنے کھڑے ہیں، خطاب فرماتے

ہیں کہ لوگو ! میری طاقت میری حکومت نہیں معلوم ہے کہا ہاں معلوم ہے۔ کہا اگر ایک کسی مصلحت کی بناء پر ایسی بات کہہ دوں جو دین کے خلاف ہو مگر مصلحت وقت کا تقاضا ہو تو تم میری ایسی بات مان لوگے تو ایک اعرابی دیہاتی کھڑا ہوا تلوار سے للکار کر کہا کہ اے عمر ایسے وقت ہم تجھے تلوار سے سیدھا کر دیں گے ہماری تلوار ہوگی اور آپ کی گردن۔ یہ تھی آزادی رائے آج آزادی کا مطلب ہے مادر پدر آزاد ہو جانا۔ یہ جمہوریت جمہوریت ! خدا معلوم کیا کیا لعنتیں انگریز نے ہمارے لئے چھوڑ دی ہیں جس میں نہ خدا کی رعایت، نہ رسول کی عوام کا ہڑبونگ جو فیصلہ دے ایسی جمہوریت کا بھی اسلام روادار۔ تو آج ہم وعدہ کرتے ہیں کہ نہ ایسی جمہوریت نہ شخصیت نہ سوشلزم اور نہ سیکولرزم نہیں چاہتے، ہم نے یوم میثاق میں جو وعدہ کیا ہے۔ اور پیدا ہوتے وقت اور مرتے وقت وہی اعلان ہے ہمارا کہ علیٰ ملۃ رسول اللہ۔ ملّتِ ابراہیمی پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اسکی پیروی کریں گے۔

۲۔ دوسری بات یہ عرض کرنی تھی کہ مسلمانوں کی بے غیرتی کا جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ازواج مطہرات حج پر تشریف لے گئیں۔ ازواج مطہرات ہودج میں بیٹھی ہیں، پردہ ہے۔ مگر قافلہ سے ان کے ہودج ... فرطِ حیا کی وجہ سے دو چار میل آگے ہی رکھی جاتی اور حضرت عمرؓ کا حکم ہے کہ پھر بھی عام مسلمان نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ سامنے کیطرف نظر اٹھا اٹھا کر نہ دیکھیں امیر المومنین کا حکم ہے۔ کہ آگے مت دیکھو کہیں ان پر نظر نہ پڑ جائے۔ ایک تو یہ احترام ہے اور ایک حالت بدقسمتی سے یہ ہو گئی کہ اب ان ماؤں کی فلمیں بنائی جا رہی ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ قبل فجر اسلام ایک فلم آئی میں نے اسمبلی میں کھڑے ہو کر واویلا کیا۔ لیکن ہم جیسے غریب اور نحیف آواز کو کون سنتا ہے۔ پھر اب اطلاع آئی نہ کافروں نے اور نہ صرف کافروں نے بلکہ اپنوں نے بھی تعاون کیا۔ لیبیا کے سفیر کے پاس میں خود گیا اور اس سے کہا کہ خدا کے لئے تم لوگ اسے روک دو، ایسے کافروں کو اپنے ہاں سہولتیں کیوں دیتے ہو وہ کہا تمہارے جذبات میں حکومت کو پہنچا دوں گا۔ وہ فلم بن رہی ہے۔ نام ہے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (جاری ہے۔)

جناب صابر علی شاہ صاحب
دفتر اہتمام

احوال وکوائف
دارالعلوم حقانیہ

مجلس شوریٰ کا سالانہ جلسہ | دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کا سالانہ بجٹ اجلاس ۱۳ر ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ کو دارالحدیث میں نہایت کامیابی سے منعقد ہوا، جس میں ملک کے مختلف حصوں سے ارکان نے شرکت کی، اجلاس کی صدارت مولانا ولایت شاہ کاکاخیل خلف مولانا میاں مسرت شاہ مرحوم نے فرمائی۔ مولانا قاری محمد امین صاحب و قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی نے آغاز میں تلاوت کلام پاک فرمائی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے گذشتہ سال کے بجٹ کی تشریح اور منظور شدہ بجٹ کی کمی بیشی کے اسباب اور سال رواں کے لئے تخمینی میزانیہ پر مشتمل ایک طویل رپورٹ پیش فرمائی۔ رپورٹ کی تمہید میں آپ نے ملک کے موجودہ دینی، تعلیمی حالات پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے دینی علوم اور مدارس عربیہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

علماء ومعاونین کی تعزیت | دارالعلوم کے ان اراکین اور معاونین کے لئے دعائے مغفرت کی گئی جن کا سال رواں میں انتقال ہوا۔ نیز علمی و دینی دنیا میں مقام رکھنے والے حضرات علم وفضل کے لئے بھی دعائے مغفرت کی گئی۔ جن میں بعض حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

مولانا محمد میاں صاحب دہلویؒ	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
آغا شورش کاشمیری۔ (چٹان)	قاضی عبدالصمد صاحب سربازی۔
مولانا عتیق اللہ صاحب نقشبندی	مولانا خان زادہ عبدالحق صاحب۔ شیدو۔

الحاج ملک امرالٰہی صاحب اکوڑہ۔ رکن دارالعلوم۔ ودیگر حضرات۔

سالانہ آمدن و خرچ اور میزانیہ | حضرت شیخ الحدیث نے بجٹ کے ضمن میں فرمایا سال ۱۳۹۴ھ میں دارالعلوم کو تین لاکھ انتالیس ہزار نوسو پچاسی روپے اناسی پیسے کی آمدنی ہوئی اور تمام شعبوں پر تین لاکھ آٹھ ہزار چھیتر روپے چھبیس پیسے خرچ ہوئے۔ سال رواں ۱۳۹۵ھ کے لئے آپ نے تین لاکھ بیاسی ہزار دوسو نوروپے کا میزانیہ پیش کیا جس میں موجودہ فنڈ کی رو سے ایک لاکھ چار ہزار پانچ سو چوالیس روپے ستاسٹھ پیسے کے خسارہ کے باوجود توکلاً علی اللہ متوقع آمدنی کے پیش نظر شوریٰ نے منظور کی۔ اراکین شوریٰ نے بجٹ پر تقریریں کرتے ہوئے دارالعلوم کے تمام شعبوں کی ترقیات پر گہرے اطمینان کا اظہار کیا۔ اجلاس میں بعض علمی و دینی منصوبوں کے قیام اور بعض شعبوں کو ترقی دینے پر

بھی غور کیا گیا۔ شرکاء اجلاس میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ الحاج شیر افضل خان صاحب، بدیشی۔ مولانا ولایت شاہ صاحب کاکاخیل۔ قاری محمد امین۔ قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی۔ حاجی محمد عباس خان صاحب اکوڑہ۔ حاجی محمود صاحب راولپنڈی۔ مولانا حبیب اللہ صاحب تنگی۔ مولانا مجاہد خان نوشہرہ۔ حکیم جمیل احمد مردان۔ میاں راز گل صاحب۔ میاں عبدالمنان صاحب مولانا عبدالرشید صاحب۔ حاجی مطیع الرحمان صاحب۔ مولانا فضل حکیم پیر پیائی، مولانا عبدالمنان صاحب۔ مولانا سیف الرحمان صاحب۔ ڈاکٹر صاحب شاہ صاحب۔ مولانا شاہ سعید صاحب۔ الحاج مستقر خان صاحب، حاجی حضرت جمال۔ خان شیر افضل خان لاہور۔ حاجی وزیر محمد صاحب برما شیلی، حاجی سعد الواسع صاحب۔ حاجی عارف اللہ صاحب۔ خان ولی محمد خان صاحب گڑھی کپورہ۔ مولانا قاضی عبدالسلام صاحب نھانوی، الحاج محمد جبار صاحب۔ اس کے علاوہ مولانا سمیع الحق ایڈیٹر الحق۔ مولانا سلطان محمود دفتر اہتمام، حاجی محمد یوسف صاحب۔ حاجی سید نور بادشاہ، حاجی غلام محمد، حاجی رحمان الدین وغیرہ۔

سالانہ آمدن و خرچ اور منظور شدہ میزانیہ کا تفصیلی نقشہ منسلک ہے۔

مصری استاذ کا تقرر دارالعلوم میں اس ماہ سے جامع ازہر مصر کی طرف سے ایک استاذ شیخ عبدالوہاب منصور شلبی کا بطور عربی استاذ تقرر ہو گیا ہے۔ جو طلبہ کو عربی بحیثیت مضمون لسانیات کے پڑھائیں گے۔ دارالعلوم حقانیہ مبعوث الازہر اور جامع ازہر اور حکومت مصر کا تہ دل سے شکر گذار ہے۔

نئے تعلیمی سال کا آغاز ۱۴ شوال سے دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا افتتاح ہوا۔ حضرت شیخ الحدیث نے درس ترمذی کے افتتاح کے بعد علوم دینیہ کی فضیلت اور طلبہ کا مقام اور ذمہ داریوں پر تقریر فرمائی۔ اب حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دیگر تمام اساتذہ اور شعبے درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ صرف دورہ حدیث شریف میں تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ شرکت فرما رہے ہیں۔

نقشہ میزانیہ برائے سال رواں ۱۳۹۵ھ و اخراجات ۱۳۹۴ھ

(میزانیہ تین لاکھ بیاسی ہزار دو سو نو روپے)

	اخراجات ۱۳۹۴ھ		میزانیہ ۱۳۹۵ھ	
	پیسے	روپے	پیسہ	روپے
مطبخ	۳۹	۹۰,۹۸۴	-	۱,۱۰,۲۵۰
ڈاک	۴۲	۱,۴۸۲	-	۲,۰۰۰
نقد امداد	۱۲	۱۹۰	-	۴۰۰
کرایہ مکانات	۱۲	۱۶۹	-	۲۰۰
روشنی و فٹنگ	۳۶	۳,۴۰۸	-	۹,۵۰۰
صابن	۴۸	۱,۶۲۴	-	۲,۶۰۰
رسائل و اخبارات	۰۵	۳۰۴	-	۴۵۰
اشاعت	۹۰	۶۱۴	-	۴۵۰
امتحانات	۵۶	۴۰۸	-	۵۱۵
کتب خرید و مرمت	۴۴	۵,۸۵۰	-	۴,۰۰۰
باغیچہ	۵۰	۱۵۴	-	۱۵۰
سفارت	۷۲	۱۷,۵۶۶	-	۲۵,۰۰۰
سٹیشنری	۶۵	۶۳۸	-	۱,۲۵۰
تنخواہ مدرسین و ملازمین	۶۷	۶۵,۹۶۵	-	۸۲,۵۰۰
تعلیم القرآن	۸۷	۲۲,۱۵۷	-	۲۵,۰۰۰
خرید واٹر پمپ و مرمت	۸۶	۱,۶۸۰	-	۳,۷۳۲
سامان خرید و مرمت	۳۱	۱,۷۷۶	-	۲,۲۰۰
آب رسانی	۷۵	۱,۱۰۰	-	۱۰۰
متفرق	۶۰	۲۷۲	-	۱,۳۰۰
ٹیلیفون	۳۷	۷۵۸	-	۹۰۰
آڈٹ	-	۱۶۰	-	۱۶۰
فیس وفاق	-	۴۱۵	-	۴۱۵
مرمت تعمیرات	۷۰	۴,۴۰۳	-	۷,۰۰۰
تعمیر مہمان خانہ	۵۹	۴۴,۱۹۶	-	۲۵۰۰
ماہنامہ الحق	۲۴	۲۴,۱۵۷	-	۲۷,۰۰۰
خرید زمین ملحقہ دار العلوم	-	۱۲,۱۵۰	-	۲۹۰۵۰
تعمیر کتب خانہ	۰۸	۵۴۷۸	-	۱۵,۰۰۰
بنک کمیشن	۹۰	۵	-	۴۰
سند الفراغ چھپائی		-	-	۳۹۷
تعمیر دار الافتاء و دار التصنیف		-	-	۱۰,۰۰۰
پلاٹ برائے دار التجوید وحفظ		-	-	۱۵,۰۰۰
ریکارڈنگ ... درس حدیث		-	-	۲,۵۰۰
	۵۵	۳,۰۸,۰۷۵	-	۳,۸۲,۲۰۹

نتیجۂ امتحانات شرکاء دورۂ حدیث شریف ۱۳۹۵ھ دار العلوم حقانیہ

ملحقہ وفاق المدارس العربیہ

کل نمبر۔ ٦٠٠ درجہ علیا ٣٦٠ درجہ وسطیٰ ٢٤٠ درجہ ادنیٰ یا اس سے کم ـــــ دار العلوم حقانیہ سے کل ٩٨ طلبہ نے وفاق المدارس کے امتحانات میں شمولیت کی ١٥ طلبہ نے وفاق سے باہر دار العلوم کے امتحانات میں شرکت کی، جس میں ١٤ ناکام ہوئے۔ مجموعی نتیجہ ٨٥ فیصد رہا

رول نمبر	نام	حاصل کردہ نمبر	رول نمبر	نام	حاصل کردہ نمبر
١	مصباح الرحمان ابن عبد الواحد مردانی	٤٦٠	١٨	سید محمد انور شاہ ابن سید محمد ایوب شاہ میانوالی	٣٠٦
٢	عبد الحی ابن عبد المتین مردانی	٣٣١	١٩	گل بہار ابن ردانہ صاحب ڈیروی	٣٠٣
٣	عبد الحمید ابن عبد القادر ڈیروی	٢٥٩	٢٠	سید شاہ ولد عبد الرحمان ڈیروی	٢٥٠
٤	امان اللہ ابن حبیب اللہ باجوڑی	٦٩٢	٢١	حافظ ہیبت خان ابن محمد معصوم خان ڈیروی	٢٠٨
٥	فضل اللہ ابن سید احمد جان مہمندی	٣٥١	٢٢	محمد شریف ابن محمد رسول ڈیروی	٤٢
٦	نعقیب احمد ابن محمود ڈیروی	٣٧٤	٢٣	عبد الحنان ابن صاحب الحق مہمندی	٣٨
٧	عبد الحی آخوندزادہ ابن ملا سیف الدین قندھاری	٢٨٣	٢٤	علی الرحمان ابن الحاج فضل الرحمان پشاوری	٦١
٨	شاد گل ابن حاجی عبد الرشید افغانی	٣١٤	٢٥	بادشاہ گل ابن شریف خان سواتی	٣٠٠
٩	عبد الاحد دیلی ابن خواجہ احمد صاحبزادہ بلوچستانی	٢٨٧	٢٦	خواجہ محمد ابن لعل محمد قندھاری	٣٥٤
١٠	محمد سراج ابن مسعود گل پشاوری	٢٨٨	٢٧	حمد اللہ ابن عبد الباقی مردانی	٢٥٤
١١	مشتاق احمد ابن فدا محمد مردانی	٢٥٢	٢٨	طاؤس خان ابن پائندہ خان ڈیروی	٢٤٦
١٢	سید شاہ ابن اسد اللہ گردیزی	٢٩٤	٢٩	سید محمد ابن عبد القادر باجوڑی	٢٤٦
١٣	محمد زمان ابن صاحب جان بنوی	٢٨٩	٣٠	عبد اللہ ابن امین گل بلوچستانی	٢٤٦
١٤	محمد رعد خان ابن نور جلال ڈیروی	٢٧٥	٣١	عالم گیر ابن عبد العلیم سواتی	٢٧٧
١٥	محمد جان ابن محمد معصوم	٢٥٠	٣٢	ضیاء الاسلام ابن مولوی عبد الغنی کیمبلپوری	٣٩٦
١٦	محمد زمان ابن فتح الدین بنوی	٢٤٨	٣٣	محمد اشفاق ابن مولوی عبد الرزاق بنوی	٢٥٣
١٧	محمد امین الرحمٰن ابن محمد یوسف	٢٤٣	٣٤	عبد اللہ ابن مولوی گل جلال ڈیروی	٢٩٢

رول نمبر	نام	حاصل کردہ نمبر
٣٥	گل نور شاہ ابن مولوی عبدالحق	٢٧٤
٣	محمد شبیر ابن حسین	٢٩٣
٣٧	امیر قلم ابن جمعہ خان بنوی	٢٢٥
٣٨	محمد ایوب ابن سنگ فارس مردانی	٣٧٤
٣٩	حمید اللہ ابن امداد اللہ ہزاروی	٢٨٩
٤٠	محمد شفیع ابن ریحان اللہ مردانی	٢٥٣
٤١	قاضی عبدالصمد ابن قاضی گل محمد مردانی	٣٢٢
٤٢	بسیر غلام ابن شیر غلام بنوی	٢٢٣
٤٣	محمد سرور ابن نجیب اللہ خان کوہستانی	٢٥٣
٤٤	رحمت افضل ابن عبدالرحیم سواتی	٢٧٨
٤٥	پذیر گل ابن اصغر خان مہمندی	٣١٨
٤٦	دوست محمد ابن ملوک شاہ کوہستانی	٢٥٣
٤٧	عبدالمستعان ابن عبدالعلی سواتی	٢٧٢
٤٨	حکمت اللہ ابن لعل میر ڈیروی	٢٦٣
٤٩	شہزاد گل ابن عبدالمنان باجوڑی	٢٤٠
٥٠	ہدایت اللہ ابن عبدالمنان بلوچستانی	٣١٦
٥١	کلیم اللہ ابن گل حسن	٢٩١
٥٢	گل سلیم شاہ ابن شاہ مسلم ڈیروی	٣١٧
٥٣	عبدالغنی ابن سید عبدالغفار قندھاری	٣٦٦
٥٤	سلیم شاہ ابن شاہ حسین بنوی	٣١٥
٥٥	ابوالبرکات ابن خان گل	٢٤١
٥٦	محمد حقیق ابن محمد شفیق	٣٠٧
٥٧	محمد طیب ابن عبداللہ ہزاروی	٢٥٩
٥٨	محمد عزیز اللہ ابن رسول الخالق وزیرستانی	٢٥٣
٥٩	فضل غنی ابن احمد نبی	٣١٣
٦٠	سید عبدالرؤف ابن جمداد خان باجوڑی	٢٧٧
٦١	محمد صدیق ابن الحاج نور محمد بلوچستانی	٣٢٢
٦٢	قاری عبدالعزیز ابن محمد گل بلوچستانی	٣١٨
٦٣	گلستان ابن آغا محمد قندھاری	٣٩٧
٦٤	عبدالکریم ابن عالم گل بلوچستانی	٢٨٤
٦٥	عبدالمنان ابن عبدالخالق ہزاروی	٢٦٤
٦٦	میاں عزیز الرحیم ابن میاں علی الرحمان پشاوری	٢٩٣
٦٧	فضل ربی ابن الحاج محمد اسلم پشاوری	٣٢٧
٦٨	معتصم باللہ ابن مولوی عبدالمالک پشاوری	٣٢٤
٦٩	محمد ابراہیم ابن الحاج خان زمان کوہستانی	٢٤٠
٧٠	نثار محمد ابن فقیر محمد پشاوری	٣٢٢
٧١	شیر زمان ابن زرے ڈیروی	٢٧٢
٧٢	شائستہ رحمان ابن عبداللہ خان ڈیروی	٣١٨
٧٣	فضل ودود ابن سید محمود ڈیروی	٢٧٢
٧٤	عرفان اللہ ابن صفی اللہ مردانی	٣٠٦
٧٥	محمد یوسف ابن محمد صدیق مردانی	٢٥١
٧٦	حبیب الرحمان ابن سید رسول ڈیروی	٥٠ ضمنی بخلاف
٧٧	عمر الرحمان ابن محمد سعید سواتی	٢٨٢
٧٨	جلال الدین ابن مولوی عبدالکریم ڈیروی	٤٥ ضمنی ترمیم

تبلیغی اور دعوتی جہاد

اگر آپ الحق کی دینی اور علمی افادیت محسوس کرتے ہیں۔ تو اس آوازہ حق کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے میں ہماری مدد فرمائیں۔ آپ کے تعاون ہی سے الحق بہت جلد اپنے بلند معیار تک پہنچ سکتا ہے۔

الحق کا استحکام اور اس کا فروغ
تعلیمات کتاب و سنت، کلمۂ حق، دین قیّم اور نوامیس اسلام کا فروغ ہے

اگر آپ اس دینی اور تبلیغی جہاد میں براہ راست شریک ہونا چاہتے ہیں تو آئیے اپنے بھرپور تعاون سے الحق کی سرپرستی کیجئے۔ و اجرکم علی اللہ۔

- اپنے حلقۂ اثر و رسوخ سے الحق کیلئے خریدار بہم پہنچائیے۔
- دینی درد اور تڑپ رکھنے والے دوستوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں الحق سے روشناس کرلیجئے۔
- اپنی طرف سے نادار طلبہ، دینی اداروں، تعلیمی مراکز، لائبریریوں بالخصوص باطل نظریات سے متاثر افراد کے نام الحق جاری کرائیے۔ الحق مہینہ بھر کی فکری اور علمی کاوشوں کا مرقع ہوتا ہے۔ آپ گھر بیٹھے اس تمام تبلیغی محنت میں برابر کے شریک ہوں گے۔
- اگر آپ کے نام الحق جاری ہے اور آپ نے زر اشتراک ابھی تک نہیں بھیجا تو جلد ارسال فرمائیے۔
- اگر آپ کسی تجارتی فرم کے مالک ہیں تو خود ورنہ اپنے زیر اثر حضرات سے الحق کیلئے اشتہارات مہیا فرمائیے۔
- اپنے شہر میں کسی موزوں دیانتدار شخص کے ہاں الحق کی ایجنسی قائم کروائیے۔
- اپنے امدادی عطیات سے الحق کو زیادہ سے زیادہ ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہونے کا موقع دیجئے۔

اس پُرفتن دور میں الحق دعوت حق کی ایک قندیل اور استیصال باطل کا ایک محاذ ہے، اس کے فروغ اور استحکام میں آپ کی کوئی سعی انشاءاللہ رائیگاں نہ ہوگی۔ اور آپ بارگاہ ایزدی سے اجر و تحسین کے مستحق ہوں گے۔

—— ناظم الحق ——

اعلیٰ بناوٹ
دل کش وضع
دل فریب رنگ
کا
حسین امتزاج
دنیا کے مشہور

خرابیٔ ہضم
کارمینا کی ہاضم ٹکیوں کے استعمال
سے اس کا ازالہ کیجئے
جہاں تک ہو سکے معدے کی خرابی سے بچئے۔ کارمینا
ہمیشہ اپنے پاس رکھئے۔ بدہضمی، قبض معدے میں گیس
، بھوک کی کمی، سینے کی جلن کھانے کے بعد طبیعت کا گر جانا اور پیٹ
پھولنا، یہ سب خرابیٔ ہضم کی واضح علامتیں ہیں۔ کارمینا ان کی اصلاح اور
علاج کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔
کارمینا
معدہ اور جگر کی اصلاح کرتی ہے
گیس سے نجات دلاتی ہے۔
ہمدرد دواخانہ (وقف)
کراچی - لاہور - راولپنڈی
ڈھاکہ - چاٹگام